جعلی جزء کی کہانی اور علمائے ربانی

الجزء المفقود یا الجزء المصنوع

تحقیق و افادات:

مولانا ارشاد الحق اثری

حافظ زبیر علی زئی

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی

مولانا محمد داؤد ارشد

مرتب:

حافظ ندیم ظہیر

مکتبہ اسلامیہ

کتاب ---------- جعلی جزء کی کہانی اور علمائے ربانی

ناشر ---------- محمد سرور عاصم

کمپوزنگ ---------- مکتبۃ الحدیث

ڈیزائننگ ---------- مکتبہ اسلامیہ پرنٹرز

اشاعت ---------- جولائی 2006ء

قیمت ----------

ملنے کا پتہ

مکتبہ اسلامیہ

لاہور | بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار فون : 042-7244973

فیصل آباد | بیرون امین پور بازار کوتوالی روڈ فون : 041-2631204

اٹک | مکتبۃ الحدیث حضرو فون : 0300-5288783

فہرست

مُقدّمة

الحمدلله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله الأمين ، أمابعد:

اسلام وہ روشن دین ہے جس کی تکمیل امام الانبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے کی گئی اور اس کی حفاظت و پاسبانی کے سلسلے میں ہر وہ رخنہ مسدود ہے جس سے اسلام دشمن عناصر یا مفاد پرست لوگ اپنے مفادات کو تقویت اور قلوب واذہان کو تسکین پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف ادوار میں مختلف انداز سے کئی ایک فتنوں نے جنم لیا لیکن علمائے حق نے ان کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تو یہ بے جان، لاچار اور اپنے مقصد میں ناکام خود ہی دم توڑ گئے۔

ایسے ہی جب بھی ''فتنہ وضع حدیث'' نے سر اٹھایا تو محدثین کے کڑے اصولِ روایت و درایت کے سامنے اسے منہ کی کھانی پڑی۔ اہلِ علم، اربابِ تحقیق اور اصحابِ تاریخ پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ اسباب وضع حدیث میں سے ایک سبب تقلیدی بندھن، مسلکی حمیت، گروہی عصبیت اور مخصوص افکار ونظریات کی تائید وتقویت ہے۔

کتب اسماء الرجال میں جابجا اس کی مثالیں موجود ہیں:

① احمد بن عبداللہ بن خالد الجویباری کے بارے میں امام ابن عدی کہتے ہیں:

" كان يضع الحديث " یہ احادیث وضع (گھڑا) کرتا تھا اور واقعتاً اس شخص نے حنفیت کی ترویج کے لئے احادیث گھڑی ہیں مثلاً:

" يكون في أمتي رجل يقال له أبو حنيفة يجدد الله سنتي على يده"

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) میری امت میں ایک آدمی ہوگا جسے ابوحنیفہ کہا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے میری سنت کی تجدید فرمائے گا۔ [لسان المیزان لابن حجر ۱/۹۳ ونسخہ اخریٰ ۱/۲۹۱]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مذکورہ بہتان (جھوٹ) باندھنے کا صرف یہ مقصد ہے کہ امام ابوحنیفہ کی

فضیلت ثابت ہواور حنفی مسلک کی اشاعت ہو(العیاذ باللہ)

(۲) مامون بن احمد السلمی بھی احادیث گھڑنے میں مشہور ہے۔اس شخص نے تعصب کی بنا پر نبی ﷺ سے ثابت شدہ طریقے ''نماز میں رفع الیدین'' کے خلاف حدیث گھڑی کہ

عن أبی هريرة عن النبی ﷺ قال: ((من رفع يديه فی الصلوة فلا صلوة له))
جس شخص نے نماز میں رفع یدین کیا اس کی نماز ہی نہیں ہے۔

[کتاب المجروحین لابن حبان ۴۶/۳]

عبدالحیٰ لکھنوی حنفی لکھتے ہیں: " السادس: قوم حملهم على الوضع التعصب المذهبي والتجمد التقليدي " چھٹا سبب: لوگوں کو مذہبی تعصب اور تقلیدی جمود نے احادیث گھڑنے پر آمادہ کیا۔ [الآثار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ ص ۱۷]

شاید اسی قسم کے لوگوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آخر زمانہ میں ایسے جھوٹے اور جعلساز پیدا ہوں گے جو تمھارے سامنے ایسی حدیثیں (گھڑ گھڑ کر) بیان کریں گے جو نہ کبھی تم نے سنی ہوں گی اور نہ تمھارے آباؤ اجداد نے۔ان سے بچتے رہنا کہیں تمھیں گمراہ نہ کردیں اور مبتلائے فتنہ وفساد نہ بنادیں۔ [صحیح مسلم: ۷، مقدمہ]

احمد بن عبداللہ اور السلمی کے پیروکار اس طرح کی کرشمہ سازی وحیلہ بازی کرتے وقت نبی کریم ﷺ کے یہ فرامین کیونکر بھول جاتے ہیں؟ ((مجھ پر جھوٹ مت باندھو جس شخص نے میری طرف جھوٹ منسوب کیا وہ جہنم میں داخل ہوگا۔)) [صحیح مسلم: ۱]

آپ ﷺ نے فرمایا: ((من يقل علی مالم أقل فليتبوأ مقعده من النار))
جس شخص نے مجھ پر ایسی بات کہی جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانا (جہنم کی) آگ میں بنالے۔ [صحیح بخاری: ۱۰۹]

نیز فرمایا: جس نے جان بوجھ کر (قصداً) مجھ پر جھوٹ باندھا تو وہ اپنا ٹھکانا (جہنم کی) آگ میں بنالے۔ [صحیح بخاری: ۱۱۰، صحیح مسلم: ۳]

کیا موضوع حدیث دین بن سکتی ہے؟

فتنہ وضع حدیث وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہوتا رہا ہے بلکہ حافظ ابن حزم لکھتے ہیں:

"وأما الوضع فی الحدیث فباق مادام إبلیس و أتباعه فی الأرض"

جب تک ابلیس اور اس کے پیروکار روئے زمین پر موجود ہیں وضعِ حدیث (کا فتنہ) باقی رہے گا۔ [المحلیٰ ۹/۱۳ مسألة: ۱۵۱۴]

لیکن موضوع حدیث کبھی دین نہیں بنی اور نہ کبھی بنے گی۔

کیونکہ مسلمانوں کے پاس "سلسلة الإسناد" وہ گوہر نایاب ہے جو کسی اور کے ہاں مفقود ہے۔ یہی وہ کسوٹی و معیار ہے جو ضعیف و سقیم اور موضوع و من گھڑت روایات کو دین بننے سے روکتا ہے۔

تحقیق اور اسناد کی چھان بین کے سلسلے میں ہمیں قرآن و حدیث اور سلف صالحین کے اقوال سے بھی راہنمائی ملتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا......﴾
اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمھارے پاس کوئی خبر لے آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو......

[الحجرات: ٦]

اس آیت کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی بطورِ استدلال پیش کیا ہے۔ [دیکھئے مقدمہ صحیح مسلم]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((کفی بالمرءِ کذباً أن یحدث بکل ماسمع))
کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کر دے۔

[صحیح مسلم: ۵]

امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ نے فرمایا: ایسا شخص کبھی لائقِ اقتداء امام نہیں بن سکتا جب تک وہ اپنی زبان کو سنی سنائی باتوں سے روک نہیں لیتا۔ [صحیح مسلم: ۱۲ ترقیم دارالسلام]

معلوم ہوا کہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان نہیں کرنی چاہئے جب تک اس کی تحقیق نہ کر لی جائے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بشیر بن کعب العدوی حاضر ہوئے اور احادیث بیان کرنا شروع کر دیں۔ (بشیر نے) کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نہ اس کی احادیث غور سے سنیں اور نہ اس کی طرف دیکھا۔ (بشیر نے) کہا: اے ابن عباس رضی اللہ عنہما کیا بات ہے کہ میں آپ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کر رہا ہوں اور آپ سنتے ہی نہیں؟ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایک وہ وقت تھا کہ جب ہم کسی سے یہ سنتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو ہماری نگاہیں بے اختیار اس کی طرف جھک جاتیں اور غور سے اس کی حدیث سنتے۔ لیکن جب سے لوگوں نے ضعیف اور ہر قسم کی روایات بیان کرنا شروع کر دیں تو ہم صرف اسی حدیث کو لیتے ہیں جس (کے راویوں اور اسناد) کو پہچانتے ہیں۔ [صحیح مسلم تحت ح ۷ ترقیم دار السلام: ۲۱]

پتا چلا کہ قرونِ اُولیٰ سے ہی اسناد کی چھان بین اور راویوں کی معرفت و تحقیق ہوتی آرہی ہے اور وہی حدیث قابلِ عمل ٹھہری جو محدثین کے اصولوں اور جرح و تعدیل کی چھلنی سے گزر کر صحیح و حسن کے درجے کو پہنچی۔

امام ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إن هذا العلم دينٌ ، فانظروا عمن تأخذون دينكم. علم حدیث دین ہے تم دیکھو کہ کس سے اپنا دین حاصل کر رہے ہو۔
[صحیح مسلم: ۲۶ ترقیم دار السلام]

امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الإسناد من الدين ، ولولا الإسناد لقال من شاء ماشاء . اسناد دین میں سے ہیں اگر اسناد نہ ہوتیں تو ہر کوئی جو چاہتا کہہ دیتا۔ [مسلم: ۳۲ ترقیم دار السلام]

اسی سلسلے میں "تاریخ الرجال" کا بھی اہم کردار رہا ہے۔ مثلاً: جب مامون بن احمد السلمی نے دعویٰ کیا کہ اس نے ہشام بن عمار سے حدیثیں سنی ہیں تو امام ابن حبان نے دریافت کیا کہ "آپ ملکِ شام کب گئے تھے؟ مامون نے کہا: ۲۵۰ھ میں" امام ابن حبان نے کہا: جس ہشام سے آپ روایت کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ تو ۲۴۵ھ میں فوت ہو گیا

تھا۔ [کتاب المجروحین ۳/۴۶]

معلوم ہوا کہ واضعین کی وضع کردہ روایات کا تعاقب اور ان کے دجل کا پردہ چاک کرنے کا ایک بہترین ذریعہ "تاریخ الرجال" بھی ہے۔

"الجزء المفقود"؟ کی دریافت!

حال ہی میں بریلوی مکتبِ فکر کی طرف سے "الجزء المفقود من الجزء الأول من المصنف "عربی میں اور "مصنف عبدالرزاق کی پہلی جلد کے دس گم گشتہ ابواب" اردو میں چھپے ہیں جو الجزء الموضوع کی تصویر پیش کر رہا ہے۔

استاذ محترم فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے اس "دریافت" کی حقیقت اس وقت واضح کر دی تھی جب اس کی طباعت و اشاعت کے لئے ابھی مشورے اور غور و فکر ہو رہا تھا۔ دیکھئے ماہنامہ "الحدیث" حضرو اکتوبر ۲۰۰۴ء شمارہ: ۵

استاذ محترم نے اصول حدیث کی رُو سے "قلمی اور مطبوعہ کتابوں سے استدلال کی شرائط" کے تحت اس "نو دریافت" کے متعلق مختصر مگر جامع نوٹ تحریر کیا۔

یوں "دفاع حدیث" کے سلسلے میں نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالمِ اسلام میں اوّلاً یہ سعادت حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کے حصے میں آئی۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء

لیکن افسوس! کہ جب "مذکورہ دریافت" طباعت کے مراحل سے گزر کر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچی تو یہ ان تمام شرائط سے یکسر خالی نظر آئی جن سے کوئی کتاب یا مخطوطہ لائق حجت ہوتا ہے۔

طباعت و اشاعت کے بعد غلطیوں سے لبریز اس جعلی نسخے کے اصلی روپ کو بے نقاب کرنے کے لئے علمائے حق نے اپنے اسلاف کی یاد کو تازہ کرتے ہوئے اپنے قلم کو جنبش دے کر حقیقتِ حال کو واضح کر دیا جن میں سرِ فہرست:

فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ:

''حدیثِ نوراور مصنف عبدالرزاق:ایک نئی دریافت کا جائزہ''

[دیکھئے ماہنامہ ''الحدیث'' حضرو شمارہ:۲۳]

فضیلۃ الشیخ ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی حفظہ اللہ:

"الجزء المفقود" یا "الجزء المصنوع"

[دیکھئے ماہنامہ نداء الاسلام پشاور]

فضیلۃ الشیخ ابوصہیب محمد داود ارشد حفظہ اللہ:

''مصنف عبدالرزاق کا جزء مفقود''

[دیکھئے ماہنامہ ''محدث'' لاہور، ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور]

ان مضامین کی افادیت کے پیشِ نظر ان سب کو یکجا ترتیب دے کر کتابی صورت میں شائع کیا جارہا ہے۔علاوہ ازیں عرب کے جید علمائے کرام نے بھی اس ''جعلی نسخے'' کا رد کیا ہے لہٰذا اہم فائدہ تصور کرتے ہوئے اسے بھی کتاب کے آخر میں شامل کرلیا گیا ہے۔ہم توقع کرتے ہیں کہ قارئین اس کاوش اور جزبۂ حق پسندی کو دلائل وبرہان کی روشنی میں دیکھیں گے اور جو بات اسلام کے مفاد اور قرآن وحدیث کی نصوص کے مطابق نظر آئے گی اسے تسلیم کرنے میں گروہی تعصب اور مسلکی وقار کو آڑے نہ آنے دیں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے شیوخ حفظہم اللہ کی ان عظیم کوششوں کو قبول فرمائے، ان کے لئے ذریعۂ نجات اور عوام الناس کے لئے ذریعۂ ہدایت بنائے۔ (آمین)

والسلام

حافظ ندیم ظہیر

نائب مدیر ماہنامہ ''الحدیث'' حضرو

(۱۸جون۲۰۰۶ء)

موضوع اور من گھڑت کتابیں

حافظ زبیر علی زئی

جس طرح جدید دور میں بعض کذابین نے ''الجزء المفقود من مصنف عبد الرزاق'' کے نام سے ایک کتاب گھڑ لی ہے اسی طرح پہلے اَدوار میں بھی بہت سے کذابین و متروکین نے مختلف اجزاء اور کتابیں گھڑی ہیں جنھیں محدثینِ کرام نے علمی و تحقیقی میزان میں پرکھ کر موضوع، باطل اور مردود قرار دیا ہے۔ ان من گھڑت کتابوں میں سے بعض کتابوں اور ان کے گھڑنے والوں کا ذکر درج ذیل ہے:

① الاربعون الودعانیہ [اسے زید بن رفاعہ الہاشمی اور ابن ودعان نے گھڑا ہے، دیکھئے ذیل اللآلی المصنوعہ للسیوطی ص ۲۰۲]

② نسخہ ابی ہدبہ عن انس [اس کا راوی ابراہیم بن ہدبہ کذاب ہے۔ دیکھئے میزان الاعتدال ۱/ ۷۱]

③ نسخہ عبیط بن شریط [اسے احمد بن اسحاق بن ابراہیم بن عبیط بن شریط نے گھڑا ہے، دیکھئے میزان الاعتدال ۱/ ۷۲،۷۱]

④ نسخہ اباء بن جعفر [اس کا راوی اباء بن جعفر کذاب ہے/ میزان الاعتدال ۱/ ۷۱]

⑤ مسند الربیع بن حبیب [اس کے بہت سے راویوں میں سے ربیع بن حبیب مجہول ہے، نیز دیکھئے کتب حذر منہا العلماء ج ۲ ص ۲۹۵۔ ۲۹۷] یہ ساری مسند موضوع ہے۔

⑥ مسند زید بن علی [اس کا راوی عمرو بن خالد الواسطی کذاب ہے]

⑦ نہج البلاغہ [بے سند کتاب ہے اور اس کا راوی شریف رضی اس کے ساتھ متہم ہے یعنی اس نے اسے گھڑا ہے۔]

⑧ تعبیر الرؤیا المنسوب الیٰ ابن سیرین [یہ بے سند و بے ثبوت کتاب ہے]

⑨ تنویر المقباس/ تفسیر ابن عباس [یہ ساری تفسیر موضوع ہے دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۴

ص۴۹ تا ۶۱]

۱۰ المجالسۃ وجواہر العلم [اس کا راوی احمد بن مروان بن محمد الدینوری بقولِ دارقطنی: کذاب ہے دیکھئے لسان المیزان ۳۰۹/۱، اس کے بارے میں مسلمہ بن قاسم ضعیف مشبہ کا قول مردود ہے۔]

اسی طرح اور بھی بہت سی کتابیں موضوع اور من گھڑت ہیں جن سے بعض جاہل اور بدعتی حضرات استدلال کرتے رہتے ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے الشیخ الصالح ابو عبیدہ مشہور بن حسن آل سلمان کی کتاب ''کتب حذر منہا العلماء'' (۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ)

وما علینا إلا البلاغ

قلمی اور مطبوعہ کتابوں سے استدلال کی شرائط

الحمدلله رب العالمين ، والصلوة والسلام على رسوله الأمين ، أما بعد:

قرآن مجید، اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو اس نے اپنے بندے اور رسول: محمد ﷺ پر نازل فرمائی اور مسلمانوں کے ہاتھوں اور سینوں میں بعینہ ومن وعن محفوظ ہے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ من وعن اور بعینہٖ محفوظ ہیں۔ ان دونوں کتابوں کی صحت پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ دیکھئے علوم الحدیث لابن الصلاح (ص ۴۱، ۴۲) واختصار علوم الحدیث (ص ۱۲۴، ۱۲۸)

شاہ ولی اللہ الدہلوی الحنفی فرماتے ہیں:

"صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں تمام محدثین متفق ہیں کہ ان میں تمام کی تمام متصل اور مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک بالتواتر پہنچی ہیں، جو ان کی عظمت نہ کرے وہ بدعتی ہے جو مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے"

[حجۃ اللہ البالغہ، اردو: ۱/۲۴۲ مترجم: عبدالحق حقانی]

ان تینوں کتابوں کے علاوہ دنیا کی کسی کتاب سے بھی استدلال کرنے کے لئے درج ذیل شرائط کا ہونا ضروری ہے:

۱ صاحبِ کتاب ثقہ و صدوق ہو، مثلاً امام ابو داود (صاحب السنن) امام ترمذی (صاحب الجامع) امام نسائی (صاحب المجتبیٰ والکبریٰ) امام ابن ماجہ (صاحب السنن) امام مالک (صاحب الموطا) وغیرہم ثقہ بلکہ فوق الثقہ تھے۔

اگر صاحبِ کتاب ثقہ و صدوق نہ ہو بلکہ مجروح و مجہول و ساقط العدالت ہو تو اس کی کتاب سے استدلال باطل ہو جاتا ہے مثلاً احمد بن مروان بن محمد الدینوری صاحب المجالسة و جواهر العلم (یضع الحدیث: لسان المیزان ۱/۳۰۹ وثقہ مسلمة ومسلمة

مجروح) الدولابی صاحب الکنیٰ (ضعیف) محمد بن الحسن الشیبانی صاحب الموطا (کذاب بقول ابن معین) ابوجعفر الکلینی صاحب الکافی (رافضی غیر موثق) یہ سب ساقط العدالت تھے لہٰذا ان کی کتابوں سے استدلال مردود ہے۔

۲ کتاب کے مخطوطے کا ناسخ و کاتب: ثقہ و صدوق ہو۔

حافظ ابن الصلاح الشہر زوری فرماتے ہیں:

" وهو أن يكون ناقل النسخة من الأصل غير سقيم النقل ، بل صحيح النقل ، قليل السقط"

اور (تیسری) شرط یہ ہے کہ اصل کتاب سے نسخے کا ناقل (کاتب و ناسخ) غلط نقل کرنے والا نہ ہو، بلکہ صحیح نقل کرنے اور کم غلطیاں کرنے والا ہو۔

[علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۳۰۳، نوع: ۲۵]

اس شرط سے معلوم ہوا کہ اگر کتاب کا کاتب غیر ثقہ یا مجہول ہو تو اس کتاب سے استدلال جائز نہیں ہے۔

حبیب الرحمٰن اعظمی دیوبندی کی تحقیق سے چھپی ہوئی مسند الحمیدی کے مخطوطے (مخطوطہ دیوبندیہ، نوشتہ ۱۳۲۴ھ) اور نسخہ سعیدیہ (نوشتہ ۱۳۱۱ھ) کے کاتبین کا ثقہ صدوق ہونا نامعلوم ہے، ان کے نسخوں کے مطالعے سے صاف واضح ہوتا ہے کہ یہ دونوں حضرات کثیر الغلط ہیں۔ مسند حمیدی للاعظمی کے نسخے کا کوئی صفحہ بھی نکالیں، غلطیوں اور تصاحیف سے بھرا ہوا ہے مثلاً:

ص ۱ پر لکھا ہوا ہے کہ " في الأصل :يزيد ، والصواب زيد" یعنی اس نسخے کی ابتدا ہی غلط ہے۔

ایک جگہ اعظمی صاحب خود لکھتے ہیں:

"في الأصل : تقوت ، وهي محرفة " [مسند الحمیدی ۱/۱۵ تحت ح ۲۴]

یعنی اصل میں ''تقوت'' کا لفظ محرف ہے، تحریف ہوگئی ہے۔

عرض ہے کہ ایسی محرف کتابوں سے وہی لوگ استدلال کرتے ہیں جو تحریفات واکاذیب سے محبت رکھتے ہیں۔

۳ ناسخ مخطوطہ سے صاحب کتاب تک سند صحیح ہو، مثلاً:

ابن ابی حاتم الرازی کی کتاب ''اصول الدین'' کی سند، صاحب مخطوطہ سے لے کر ابن ابی حاتم تک صحیح ہے۔ [دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو، ج ا شمارہ:۲ص ۴۱]

جبکہ شرح السنۃ للبربہاری کی سند میں دو راوی مجروح ہیں:

اول: غلام خلیل کذاب ہے۔ [الحدیث:۲ص ۲۵]

دوم: قاضی احمد بن کامل (روایت میں) متساہل (ضعیف) ہے۔ [ایضاً ص ۲۵]

لہٰذا اس کتاب (شرح السنۃ للبربہاری: مطبوع ومخطوط) سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

۴ مخطوطہ (کتاب کے قلمی نسخے) کا محل وقوع، خط، تاریخ نسخ پہچاننا اور قدامت کی تحقیق ضروری ہے، جو نسخہ پرانا اور قلیل الغلط ہو، اسے بعد والے تمام نسخوں پر فوقیت حاصل ہے۔

۵ نسخہ پر علمائے کرام اور ائمۂ دین کے سماعات ہوں، مثلاً مسند حمیدی کا مخطوطہ ظاہریہ، نسخۂ دیوبندیہ ونسخۂ سعیدیہ سے قدیم ترین (نوشتہ ۶۸۹ھ) ہے اور اس پر جلیل القدر علماء کے سماعات بھی ہیں، اور قلیل الغلط بھی ہے لہٰذا ان دونوں (دیوبندیہ وسعیدیہ) پر فوقیت حاصل ہے۔

(سماع کی جمع سماعات ہے۔ جب ایک قلمی نسخہ علمائے کرام خود پڑھتے یا انھیں سنایا جاتا تو وہ اس پر لکھ دیتے تھے کہ یہ فلاں فلاں نے پڑھا یا سنا ہے، اسے سماعات کہتے ہیں)

۶ نسخہ علماء کے درمیان مشہور ہو۔ آج اگر کوئی شخص افغانستان، قزاقستان، گرجستان وغیرہ کے کسی کونے کھدرے سے خود ساختہ نسخہ پیش کر کے شور مچانا شروع کر دے کہ مخطوطہ مل گیا ہے تو علمی میدان میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

⑦ اس کتاب کے دیگر نسخوں کو مد نظر رکھا جائے مثلاً قاسم بن قطلو بغا (کذاب) نے مصنف ابن ابی شیبہ کے ایک (نامعلوم) نسخہ سے "تحت السرۃ" کے اضافے والی حدیث نقل کی ہے جبکہ مصنف ابن ابی شیبہ کے دیگر نسخوں میں یہ اضافہ قطعاً موجود نہیں ہے۔

خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی صاحب ایک اصول سمجھاتے ہیں:

اگر ایک عبارت بعض نسخوں میں ہو اور بعض میں نہ ہو تو: "فعلى هذا هذه العبارة مشكوك فيها" اس طرح سے یہ عبارت مشکوک ہو جاتی ہے۔

[بذل المجہود ۴/۱۷۴ تحت ح: ۷۴۸]

⑧ اس کتاب کی عبارات و روایات کا ان کتابوں سے مقارنہ کیا جائے جن میں اس کتاب سے روایت یا نقل موجود ہے، مثلاً سنن ابی داود کی احادیث کا السنن الکبریٰ للبیہقی میں احادیث ابی داود سے مقارنہ و مقابلہ کیا جائے۔ امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ امام ابوداود سے روایتیں نقل کرتے ہیں۔

⑨ یہ بھی شرط ہے کہ علمائے کرام اور محدثین عظام نے نسخہ مذکورہ پر طعن و جرح نہ کر رکھی ہو۔

⑩ صاحب کتاب سے اگر کتاب صحیح و ثابت ہو تو پھر بھی یہ شرط ضروری ہے:

صاحب کتاب سے کر صاحبِ قول یا صاحبِ روایت تک سند صحیح یا حسن لذاتہ ہو۔ ان شرائط میں اگر ایک شرط بھی موجود نہ ہو تو اس کتاب کی روایت اسے استدلال کرنا باطل و مردود ہو جاتا ہے۔

تنبیہ: محمد محبّ اللہ نوری بریلوی نے دعویٰ کیا ہے:

"حال ہی میں فضیلۃ الشیخ عیسیٰ مانع (سابق منسٹر اوقاف دبئ) اور اہلسنت کے نامور عالم دین اور محقق حضرت علامہ محمد عباس رضوی کی جستجو سے "مصنف عبدالرزاق" کا مخطوطہ افغانستان سے دستیاب ہوا ہے، جس میں "تخلیق نور

محمدی'' پر مستقل باب موجود ہے اور اس میں ''حدیث جابر'' کم وبیش پانچ سندوں کے ساتھ درج ہے۔کیا ہی اچھا ہو کہ کوئی اشاعتی ادارہ اس مخطوطہ کی شایانِ شان اشاعت کا اہتمام کردے''

[ماہنامہ اہلسنت گجرات، اگست 2003ء ص4]

عرض ہے کہ بریلوی و دیوبندی دونوں گروہ، اہل سنت نہیں ہیں، ان کے اصول وعقائد اہل سنت سے مختلف ہیں:

تنبیہ: بریلوی و دیوبندی حضرات حنفی بھی نہیں ہیں۔

مصنف عبدالرزاق کے اس نو دریافت شدہ مخطوطے سے استدلال اسی وقت کیا جاسکتا ہے جب اس میں درج ذیل شرائط موجود ہوں:

① ناسخ مخطوطہ ثقہ وصدوق ہو۔

② اس بات کا ثبوت ہو کہ یہ مخطوطہ واقعی اسی ناسخ نے لکھا ہے۔

③ صاحب ناسخ مخطوطہ سے لے کر امام عبدالرزاق تک سند صحیح وحسن ہو۔

④ امام عبدالرزاق سے لے کر رسول اللہ ﷺ یا صاحبِ قول تک سند صحیح وحسن ہو۔

⑤ اس مخطوطے میں وہ تمام شرائط موجود ہوں جن کا تذکرہ، اس مضمون میں کیا گیا ہے۔

دو من گھڑت کتابیں

آخر میں دو من گھڑت، موضوع اور باطل کتابوں کا ذکر پیش خدمت ہے جو دو مشہور اماموں سے منسوب کردی گئی ہیں، حالانکہ یہ دونوں امام ان دو کتابوں سے بری ہیں۔

① الفقه الأكبر ، المنسوب إلى الإمام الشافعي رحمه الله

امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ ''الفقه الأكبر'' کے نام سے ایک کتاب منسوب کی گئی ہے جسے ''الكوكب الأزهر شرح الفقه الأكبر'' کے نام سے مصطفیٰ احمد الباز نے ''المكتبة التجارية ، مكة مكرمة'' سعودی عرب سے شائع کیا ہے۔

اس کتاب کے موضوع و من گھڑت ہونے کے چند دلائل درج ذیل ہیں:

① اس کا ناسخ (کاتب) نامعلوم ہے۔

② ناسخ سے لے کر امام شافعی تک سند نامعلوم ہے۔

③ مصطفیٰ الباز والے نسخہ میں اس کتاب کے نسخوں کا تعارف مختصراً درج ذیل ہے:

۱۔ مطبوعہ ۱۹۰۰ء

۲۔ نسخہ محمد بن عبداللہ بن احمد الراوی (مجہول) جدید دور کا لکھا ہوا؟

۳۔ شہاب الدین بن احمد بن مصلح البصری، متوفی ۹۸۶ھ (؟) کا لکھا ہوا نسخہ؟

۴۔ احمد بن الشیخ درویش الخطیب کا لکھا ہوا (جدید) نسخہ؟

۵۔ غیر مسلم: کارل بروکلی نے اس کتاب کو امام شافعی کی طرف منسوب کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ سب نسخے بے اصل اور مردود ہیں۔

حاجی خلیفہ صاحب لکھتے ہیں:

"لکن فیه شك والظن الغالب انه من تألیف بعض أکابر العلماء"

لیکن (امام شافعی کی طرف) اس (کی نسبت) میں شک ہے اور ظن غالب یہی ہے کہ یہ بعض اکابر علماء کی تصنیف ہے۔ [کشف الظنون ۲/۱۲۸۸]

یہ اکابر علماء کا بعض: مجہول ہے۔

مشہور عربی محقق ابو عبیدہ مشہور بن حسن آل سلمان لکھتے ہیں:

"الفقه الأکبر: المکذوب علی الإمام محمد بن إدریس الشافعی"

الفقہ الاکبر، امام شافعی پر مکذوب (جھوٹ) ہے۔ [کتب حذر منہا العلماء: ۲/۲۹۳]

شیخ صالح المقبلی نے بھی اس کتاب کے تصنیف الشافعی ہونے کا انکار کیا ہے دیکھئے "العلم الشامخ فی ایثار الحق علی الآباء والمشائخ" ص ۱۸۰

④ امام شافعی کے شاگردوں اور متقدمین جیسے بیہقی وغیرہ، نے اس کتاب کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

لطیفہ: الکوکب الازھر شرح الفقہ الاکبر، المکذوب علی الشافعی رحمہ اللہ، میں لکھا ہوا ہے:

"ولا یکفی إیمان المقلد" اور (عقائد و اصول دین میں) مقلد کا ایمان کافی نہیں ہے۔ [ص ۴۲]

۳ الفقہ الأکبر المنسوب إلی الإمام أبی حنیفۃ رحمہ اللہ

ملا علی قاری کی شرح کے ساتھ الفقہ الاکبر کا جو نسخہ مطبوعہ ہے اس کے شروع میں نسخہ کے راوی، ناسخ اور ناسخ سے امام ابو حنیفہ تک کوئی سند موجود نہیں ہے۔ حاجی خلیفہ نے لکھا ہے: "روی عنه أبو مطیع البلخی" اسے (امام ابو حنیفہ سے) ابو مطیع البلخی نے روایت کیا ہے۔ [کشف الظنون: ۲/۱۲۸۷]

ابو مطیع الحکم بن عبداللہ البلخی جمہور محدثین کے نزدیک مجروح ہے۔ اسے ابن معین، بخاری اور نسائی (کتاب الضعفاء والمتروکین: ۶۵۴) وغیرہم نے ضعیف کہا۔

ایک حدیث کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا: "فھذا وضعه أبو مطیع علی حماد" اسے ابو مطیع نے حماد (بن سلمہ) پر گھڑا ہے۔ [میزان الاعتدال: ۳/۴۲ ت ۵۵۲۳]

یعنی ابو مطیع وضاع (حدیثیں گھڑنے والا تھا) ابو مطیع سے نیچے، اس نسخے کی سند نامعلوم ہے۔

ایک ملا صاحب نے اس کتاب کی ایک دوسری سند فٹ کر رکھی ہے۔

[دیکھئے مجموعۃ الرسائل العشرۃ ص ۱۷]

اس سند میں بہت سے راوی (نصر بن یحیی البلخی علی بن احمد الفارسی، علی بن الحسین الغزالی، نصران بن نصر الختلی اور حسین بن الحسین الکاشغری وغیرہم) مجہول، غیر معروف اور نامعلوم التوثیق ہیں۔

اس سند کا بنیادی راوی: ملا صاحب مجہول ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ سند بھی موضوع و باطل ہے۔

تنبیہ: اس موضوع رسالے "الفقہ الأکبر" میں لکھا ہوا ہے:

"فما ذکر اللہ تعالی فی القرآن من ذکر الوجه والید والنفس

فهو صفات بلا كيف ولا يقال :أن يده قدرته ونعمته لأن فيه ابطال الصفة و هو قول أهل القدر والإعتزال ولكن يده صفته بلا كيف"

پس اللہ تعالیٰ نے قرآن میں وجہ (چہرہ) ید (ہاتھ) اور نفس (جان) کا جو ذکر کیا ہے وہ اس کی بلا کیف صفتیں ہیں اور یہ نہیں کہنا چاہئے کہ اس کا ہاتھ اس کی قدرت اور نعمت ہے کیونکہ اس (کہنے) میں صفت کا ابطال ہے اور یہ قول قدریوں اور معتزلہ کا ہے، لیکن (کہنا یہ چاہئے کہ) اس (اللہ) کا ہاتھ اس کی صفت ہے بلا کیف۔ [ص ۱۹ و مع شرح القاری ص ۳۶، ۳۷]

اس کے برخلاف خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی فرماتے ہیں:

''مثلاً یہ کہ ممکن ہے استواء سے مراد غلبہ ہو اور ہاتھ سے مراد (قدرت) تو یہ بھی ہمارے نزدیک حق ہے۔''

[المہند ص ۴۲ جواب سوال: ۱۳، ۱۴، بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم ص ۱۸]

معلوم ہوا کہ اس کتاب (الفقہ الاکبر) کے مطابق دیوبندی حضرات معتزلہ کے مذہب پر ہیں۔

۳ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے منسوب کتاب ''الصلوٰۃ'' ان سے ثابت ہی نہیں ہے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں:

"وكتاب : الرسالة في الصلوة ، قلت : هو موضوع على الإمام"

یعنی یہ کتاب موضوع (اور من گھڑت) طور پر امام (احمد) سے منسوب کر دی گئی ہے۔

[سیر اعلام النبلاء: ۱۱/۳۳۰]

تنبیہ: نماز نبوی کے مقدمۃ التحقیق (ص ۱۸) میں ''اور امام احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۴۱) کی کتاب الصلوٰۃ وغیرہ'' کے الفاظ دارالسلام والوں کی غلطی کی وجہ سے چھپ گئے ہیں۔ میں اس عبارت سے بری ہوں، مدیر مکتبہ دارالسلام نے اس عبارت مذکورہ کے بارے میں اپنے پیڈ پر لکھ کر دیا ہے کہ ''تسامح کی وجہ سے چھپ گئی ہے۔ جس پر ادارہ

مقدمة التحقیق کے مؤلف سے معذرت خواہ ہے ،عبد العظیم اسد ، دار السلام لاہور ۱۸/۸/۲۰۰۰"

اس معذرت نامہ کی اصل میرے پاس محفوظ ہے۔

۲ امام مالک (کے مذہب) سے منسوب "المدونة الكبرىٰ" غیر مستند کتاب ہے دیکھئے میری کتاب "القول المتين في الجهر با لتأمين" (ص ۷۳) وسیر اعلام النبلاء (۲۰۶/۱۴) اور العبر فی خبر من غبر (۱۲۲/۲)

[ماہنامہ الحدیث حضرو: ۵ شعبان ۱۴۲۵ھ، اکتوبر ۲۰۰۴ء]

حافظ زبیر علی زئی

حدیث نور اور مصنف عبدالرزاق: ایک نئی دریافت کا جائزہ

الحمد لله رب العالمین والصلوٰة والسلام علیٰ رسوله الأمین ، أما بعد:

مصنف عبدالرزاق کے نام سے حدیث کی ایک مشہور کتاب مطبوع اور متداول ہے۔

سنہ۱۴۲۵ھ بمطابق ۲۰۰۵م ایک چھوٹی سی کتاب "الجزء المفقود من الجزء الأول من المصنف" کے نام سے محمد عبدالحکیم شرف القادری (بریلوی) کی تقدیم اور عیسیٰ بن عبداللہ بن محمد بن مانع الحمیر ی (؟) کی تحقیق کے ساتھ (بریلویوں کے) مؤسسۃ الشرق' لاہور پاکستان سے شائع ہوئی ہے۔ اس نسخہ میں چالیس (۴۰) احادیث و آثار لکھے ہوئے ہیں۔ بریلوی حضرات اس میں درج حدیثِ نور کی وجہ سے خوشیاں منا رہے ہیں حالانکہ قلمی اور مطبوع کتابوں سے استدلال کی کئی شرطیں ہیں جن میں سے بعض کا ذکر راقم الحروف نے توضیح الاحکام میں کیا ہے۔ [دیکھئے ''الحدیث'' حضرو:۵ ص۱۶تا۲۲]

اب اس مضمون میں اس'' الجزء المفقود '' کا جائزہ پیشِ خدمت ہے۔

بریلویوں کا شائع کردہ یہ'' الجزء المفقود '' سارے کا سارا موضوع اور من گھڑت ہے۔

اس کے موضوع اور من گھڑت ہونے کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) اس نسخہ کا ناسخ (لکھنے والا) اسحاق بن عبدالرحمٰن السلیمانی ہے جس کے خط (تاریخ نسخ ۹۳۳ھ) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص دسویں صدی ہجری میں موجود تھا۔

[دیکھئے الجزء المفقود ص۱۰]

اس شخص کے حالات اور ثقہ وصدوق ہونا نامعلوم ہے لہٰذا یہ شخص مجہول ہے۔

(۲) دسویں صدی ہجری والے اسحاق بن عبدالرحمٰن السلیمانی نے اپنے آپ سے لے کر امام عبدالرزاق رحمہ اللہ (صاحب المصنف) تک کوئی سند بیان نہیں کی اور نہ یہ بتایا ہے کہ

اس نے یہ نسخہ کہاں سے نقل کیا ہے لہٰذا یہ سارے کا سارا نسخہ بے سند ہے۔

۳ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ نسخہ کہاں کہاں اور کس کس کے پاس رہا ہے۔ حدیث کی کتابوں کے معتبر نسخوں پر علمائے کرام کے سماعات درج ہوتے ہیں۔یعنی فلاں عالم نے یہ نسخہ فلاں تاریخ کو فلاں عالم سے سنا تھا۔مثلاً دیکھئے مخطوطہ مسند الحمیدی (الظاہریہ) پہلا صفحہ اور میری کتاب ''نور العینین'' ص ۲۵۰ (طبع سوم ۲۰۰۴ء)

جبکہ اس کے برعکس ''الجزء المفقود'' کے مقدمہ میں لکھا ہوا ہے:

"وليس على النسخة التي بين يدينا أية سماعات"

ہمارے ہاتھوں میں (یہ) جو نسخہ موجود ہے اس پر کوئی سماعات نہیں ہیں۔[دیکھئے ص ۱۴]

۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان سے مصنف عبدالرزاق کا جو نسخہ شائع ہوا ہے اسے پانچ نسخوں سے شائع کیا گیا ہے.

اول: مراد ملا کا نسخہ (ترکی) یہ (تقریباً) مکمل نسخہ ہے اور ۷۴۷ھ کا لکھا ہوا ہے۔

[المصنف جلد ا ص ۱۱]

دوم: فیض اللہ افندی کا نسخہ (ترکی) یہ نامکمل نسخہ ہے اور ۶۰۶ھ کا لکھا ہوا ہے۔

[جلد ا ص ۱۱]

سوم: شیخ محمد نصیف کا نسخہ (جدہ) یہ نامکمل نسخہ ہے اور نویں صدی ہجری کا لکھا ہوا ہے۔

[ایضاً ج ا ص ۱۲]

چہارم: المکتبۃ السعیدیۃ العامہ کا نسخہ (ٹونک) یہ ناقص نسخہ ہے اور ۱۳۷۳ھ کا لکھا ہوا ہے۔

پنجم: حبیب الرحمٰن اعظمی کی تحقیق والا مطبوعہ نسخہ، اسے مراد ملا والے نسخہ سے شائع کیا گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ نسخہ بریلویہ پر سماعات کا نہ ہونا، کاتبِ نسخہ کا مجہول ہونا اور نسخہ کا بے سند ہونا اس نسخہ کے مشکوک اور بے اصل ہونے کے لئے کافی ہے۔

۵ اس نسخہ (نسخۂ بریلویہ) کے مقدمہ نگار نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ نسخہ مطبوعہ نسخہ سے زیادہ مضبوط نسخہ ہے۔ [دیکھئے ص ۱۱]

حالانکہ یہ نسخہ فاش غلطیوں والا ہے۔

مثال: بریلویوں کے ''الجزء المفقود'' میں لکھا ہوا ہے:

"عبدالرزاق عن ابن جریج قال: أخبرنی البراء قال ..." الخ

[ص ۵۵ ح ۲]

اس روایت میں امام ابن جریج سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا: مجھے براء (بن عازب رضی اللہ عنہ) نے خبر دی۔ الخ

''الجزء المفقود'' کا محقق (عیسیٰ الحمیری) لکھتا ہے:

"ابن جریج حافظ ثقة وكان يدلس ، فقد صرح هنا بالإخبار"

ابن جریج حافظ ثقہ ہیں، آپ تدلیس کرتے تھے، پس آپ نے یہاں سماع کی تصریح کر دی ہے۔ [حاشیہ: ۱]

عرض ہے کہ ابن جریج رحمہ اللہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ [طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۴۹۲]

جبکہ سیدنا البراء رضی اللہ عنہ ۷۲ھ میں فوت ہوئے۔ [تقریب التہذیب: ۶۴۸]

سیدنا البراء بن عازب رضی اللہ عنہ کی وفات کے آٹھ سال بعد پیدا ہونے والے امام ابن جریج یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں ''أخبرنی البراء'' مجھے براء نے خبر دی۔ (!)

لطیفہ: الجزء المفقود کے محقق نے اپنے الفاظ بھول کر دوسرے مقام پر لکھا ہے:

"الحديث بإسناده انقطاع ، لأن ابن جريج لم يدرك البراء"

اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے کیونکہ ابن جریج نے براء کو نہیں پایا۔

[ص ۵۹ ح ۱۰ کا حاشیہ: ۳]

جب ابن جریج نے سیدنا براء رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا تو وہ تصریح سماع کس طرح کر سکتے ہیں؟

٦ الجزء المفقود میں لکھا ہوا ہے:

" عبدالرزاق قال: أخبرني الزهري عن سفيان بن شبرمة ..."

[ص ۸۸ ح ۲۸]

اس روایت میں امام عبدالرزاق، زہری سے سماع کی تصریح کررہے ہیں حالانکہ امام زہری ۱۲۵ھ یا اس سے ایک دو سال پہلے فوت ہوئے۔ [دیکھئے تقریب التہذیب: ۶۲۹۶]

اور امام عبدالرزاق ۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے۔ [تقریب التہذیب: ۴۰۶۴]

امام زہری کی وفات کے ایک سال بعد پیدا ہونے والے امام عبدالرزاق کس طرح ''أخبرني الزهري'' کہہ سکتے ہیں؟

لطیفہ: اسی کتاب کے ایک دوسرے مقام پر ''محقق'' صاحب لکھتے ہیں:

" هذا الإسناد فيه انقطاع بين عبدالرزاق والزهري"

اور اس سند میں عبدالرزاق اور زہری کے درمیان انقطاع ہے۔

[ص ۹۴ ح ۴۰ کا حاشیہ: ۳]

٧ سابقہ نمبر میں جو روایت لکھی ہوئی ہے۔ اس کے راوی ''سفيان بن شبرمة'' کے حالات معلوم نہیں ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ ''سفيان عن ابن شبرمة'' ہے۔ جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ (۱/۱۵ ح ۱۳۲) میں لکھا ہوا ہے۔ یعنی سفیان الثوری عن عبداللہ بن شبرمۃ

میں جناب محمد عبدالحکیم شرف القادری (بریلوی) اور تمام آلِ بریلی سے پوچھتا ہوں کہ ''سفيان بن شبرمة'' کون ہے؟ اگر یہ کاتب یا کمپوزر کی غلطی ہے تو پھر غلطیوں والے اس بے سند نسخہ پر آپ کیوں خوشیاں منا رہے ہیں؟

٨ امام زہری المدنی کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں ۵۰ یا ۵۱

امام یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر (پیدائش: ۱۵۴ھ وفات: ۲۳۱ھ) تلمیذِ امام لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ زہری ۵۶ھ میں پیدا ہوئے۔ [تاریخ دمشق ۲۲۸/۵۸ وسندہ صحیح، الزہری لابن عساکر ص ۳۶ ح ۱۰]

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ۶۰ ھ کے قریب فوت ہوئے۔[تقریب التہذیب:۴۶۴۱]
آپ کی قبر مقطم (مصر) میں ہے۔[سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۶۸]
یعنی آپ مصر میں فوت ہوئے!
الجزء المفقود میں لکھا ہوا ہے:
"عن ابن جريج عن الزهري أنه سمع عقبة بن عامر......" [ص ۸۴ ح ۲۴]
حالانکہ (مدینہ طیبہ میں پیدا ہونے والے) امام زہری کی عقبہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔
حافظ نورالدین الہیثمی لکھتے ہیں:
"والزهري لم يسمع من عقبة بن عامر"
اور زہری نے عقبہ بن عامر سے (کچھ) نہیں سنا۔
[مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۳۱، آخر: باب فضل الاذان]
معلوم ہوا "الجزء المفقود" کے مجہول ناسخ نے اس بے سند نسخے میں ایک سند وضع کر کے امام زہری پر جھوٹ بول رکھا ہے کہ انھوں نے سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے!

۹ الجزء المفقود میں لکھا ہوا ہے:
"عبد الرزاق عن معمر عن الزهري عن أبي سعيد الخدري عن أبيه عن جده عن أبي سعيد" إلخ (ص ۸۰، ۸۱ ح ۲۰)
اس روایت میں بقول اسحاق بن عبدالرحمٰن السلیمانی: امام زہری سیدنا ابوسعید الخدری (سعد بن مالک بن سنان الانصاری) رضی اللہ عنہ عن ابیہ (مالک بن سنان) عن جدہ (سنان بن عبید) عن ابی سعید سے روایت کر رہے ہیں حالانکہ سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کے دادا سنان بن عبید کا صحابہ میں کوئی ذکر موجود نہیں ہے اور نہ سنان بن عبید کے استاد ابوسعید کا کہیں تذکرہ ملتا ہے۔ الجزء المفقود کے "محقق" نے ابوسعید الخدری عن ابیہ عن جدہ عن ابی سعید میں

ابوسعید الخدری کو روبیح (ربیح) بن عبدالرحمٰن بن ابی سعید بنا دیا ہے حالانکہ ربیح کی کنیت ابوسعید، معلوم نہیں ہے اور نہ اس کے شاگردوں میں امام زہری کا کوئی ذکر ملتا ہے۔

[دیکھئے تہذیب الکمال ج ۶ ص ۱۲۴]

۱۰ احادیث کی کتابوں میں عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ ان کی روایات (سندیں اور متون) دوسری کتابوں میں بھی ملتی ہیں۔ مثلاً مصنف عبدالرزاق کی پہلی متصل مرفوع حدیث "عبد الرزاق عن مالك عن عمروبن يحيى عن أبيه عن عبد الله بن زيد" کی سند سے مروی ہے۔ یہی روایت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے "حدثنا عبد الرزاق قال: أخبرنا مالك عن عمرو بن يحيى عن أبيه عن عبد الله بن زيد" کی سند سے اسی متن کے ساتھ بیان کر رکھی ہے۔ [مسند احمد ج ۴ ص ۳۹ ح ۱۶۴۳۸ وسندہ صحیح]

عبدالرزاق کی سند سے یہ روایت صحیح ابن خزیمہ میں بھی موجود ہے۔ [۸۰/۱ ح ۱۵۵]

امام مالک "عن عمرو بن يحيىٰ عن أبيه عن عبدالله بن زيد" کی سند سے یہی روایت موطا امام مالک (۱۸/۱ ح ۳۱) وصحیح بخاری (۱۸۵) وصحیح مسلم (۲۳۵) میں موجود ہے۔ جب کہ بریلویوں کی پیش کردہ روایات الجزء المفقود کا وجود حدیث کی دوسری باسند کتابوں میں نہیں ملتا۔ معلوم ہوا کہ دال میں ضرور کچھ کالا کالا ہے۔

ان دس دلائل سے معلوم ہوا کہ "الجزء المفقود" کے نام سے مطبوع کتاب بے اصل، بے سند اور موضوع ہے۔ لہٰذا اس سے استدلال کرنا حلال نہیں ہے۔

امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی رحمۃ اللہ علیہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ امام عبدالرزاق رحمہ اللہ (متوفی ۲۱۱ھ) ثقہ حافظ امام تھے۔ جمہور محدثین نے ان کی توثیق کی ہے لیکن ثقہ ہونے کے ساتھ وہ مدلس بھی تھے۔ ان کی تدلیس کے لئے دیکھئے کتاب الضعفاء للعقیلی (ج ۳ ص ۱۱۰، ۱۱۱ وسندہ صحیح) وطبقات المدلسین للحافظ ابن حجر رحمہ اللہ۔

① مدلس راوی کے بارے میں یہ عام اصول ہے کہ غیر صحیحین میں اس کی "عن" والی روایت ضعیف و مردود ہوتی ہے، لہٰذا اگر یہ من گھڑت اور موضوع "الجزء المفقود" (بفرضِ محال) ثابت بھی ہوتا تو اس میں نور والی روایات باطل اور مردود ہیں۔

② امام عبدالرزاق آخری عمر میں نابینا ہونے کے بعد اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔

[دیکھئے الکواکب النیرات ص ۵۳ ت ۳۴]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم ۲۰۰ھ سے پہلے عبدالرزاق کے پاس آئے تھے، اس وقت ان کی نظر صحیح تھی۔ جس نے ان کی نظر ختم ہونے کے بعد ان سے سنا ہے تو اس شخص کا سماع ضعیف ہے۔ [تاریخ ابی زرعہ الدمشقی: ۱۱۶۰ وسندہ صحیح]

امام احمد نے مزید فرمایا کہ "لا یعبأ بحدیث من سمع منه وقد ذهب بصره، کان یلقن أحادیث باطلة" جس نے اس کے نابینا ہونے کے بعد اس سے احادیث سنی ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ وہ باطل حدیثوں کی تلقین قبول کر لیتے (اور انھیں بیان کر دیتے) تھے۔ [سوالات ابن ہانی: ۲۲۸۵ وسندہ صحیح]

اس مطبوعہ بے سند نسخے میں عبدالرزاق کا شاگرد ہی معلوم نہیں ہے لہٰذا اس پر کس طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ وما علینا إلا البلاغ (۱۳ محرم ۱۴۲۷ھ)

[ماہنامہ الحدیث حضرو: ۲۳ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ، اپریل ۲۰۰۶ء]

حافظ زبیر علی زئی

"الجزء المفقود" کا جعلی نسخہ اور انٹرنیٹ پر اس کا رد

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله الأمين ، أما بعد:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((من يقل عليّ مالم أقل فليتبوأ مقعده من النار))

جو شخص مجھ پر ایسی بات کہے جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانا (جہنم کی) آگ میں بنا لے۔ [صحیح بخاری:۱۰۹]

آپ ﷺ نے فرمایا:

((ومن كذب عليّ متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار))

جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانا (جہنم کی) آگ میں بنا لے۔ [صحیح بخاری:۱۱۰ وصحیح مسلم:۳]

اتنی شدید وعید کے باوجود بہت سے لوگ بغیر کسی خوف کے، نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولتے تھے اور بول رہے ہیں گویا وہ اللہ کی پکڑ سے کلیتاً غافل ہیں۔

حافظ ابن حزم اندلسی (متوفی ۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

"وأما الوضع فی الحدیث فباقٍ ما دام إبلیس وأتباعه فی الأرض"

اس وقت تک وضعِ حدیث (کا فتنہ) باقی رہے گا جب تک ابلیس اور اُس کے پیروکار روئے زمین پر موجود ہیں۔ [المحلی ۹/۱۳ امسألۃ:۱۵۱۴]

مجھے جب معلوم ہوا کہ بریلویوں نے مصنف عبدالرزاق کا ایک نرالا نسخہ دریافت کرنے کا دعویٰ کر کے "حدیثِ نور" پیش کر دی ہے تو میں نے ماہنامہ الحدیث:۵ (ص ۱۶ تا ۲۲) میں ایک سوال کے جواب میں ایک تحقیقی مضمون لکھا جس میں قلمی اور مطبوعہ کتابوں سے استدلال کی شرائط اور دو من گھڑت کتابوں کا ذکر کیا۔ ہمارے علم کے مطابق اس مضمون

کا جواب کسی حلقے سے نہیں آیا۔ بعد میں "الجزء المفقود من الجزء الأول من المصنف" کے نام سے بریلوی من گھڑت نسخہ مل گیا تو راقم الحروف نے اس کا تفصیلی و مدلل رد لکھا جو الحدیث: ۲۳ (ص ۲۲ تا ۲۵) میں شائع ہوا۔

اب صادق آباد (پنجاب) والے محمد زبیر صاحب اور حافظ ثناء اللہ الزاہدی حفظہ اللہ کے ذریعے معلوم ہوا کہ انٹرنیٹ پر اس من گھڑت کتاب کا تفصیلی رد لکھا گیا ہے لہٰذا کوشش کر کے انٹرنیٹ سے یہ رد حاصل کر لیا۔ یہ رد جزیرۃ العرب کے (نوجوان عالم) محمد زیاد بن عمر التکلۃ نے "دفاع عن النبی ﷺ وسنته المطهرة وكشف تواطؤ عيسى الحميري ومحمود سعيد ممدوح على وضع الحديث" اور "تفنيد القطعة المكذوبة التي أخرجاها ونسباها لمصنف عبدالرزاق" کے نام سے ۱۳ محرم ۱۴۲۷ھ کو چونتیس (۳۴) صفحات میں انٹرنیٹ پر شائع کیا ہے۔

اس رد کے بعض اہم دلائل کا خلاصہ درج ذیل ہے:

① جزیرۃ العرب کے بڑے علماء مثلاً شیخ سعد الحمید، شیخ خالد الدریس اور شیخ احمد عاشور وغیرہم یہ کہتے ہیں کہ یہ "الجزء المفقود" سارے کا سارا موضوع ہے۔ [دیکھئے ص ۳]

② عیسیٰ بن عبداللہ بن محمد بن مانع الحمیری جہمی قبوری (قبر پرست) اور خرافی (خرافیات بیان کرنے والا) ہے۔ اس نے ایک کتاب لکھی ہے "البدعة أصل من أصول التشريع" یعنی (اس کے نزدیک) شریعت کے اصول میں سے ایک اصل بدعت ہے۔ (!)

[دیکھئے ص ۵]

③ دبئ کے رہنے والے شیخ ادیب الکمَدانی جو کہ علمِ حدیث اور مخطوطات کے ماہر ہیں، انھوں نے جب عیسیٰ الحمیری کے پاس "مخطوطہ" دیکھا تو کہا: "إنه موضوع حديثًا جدًا بالنظر لورقه وخطه" یہ نسخہ تازہ تازہ گھڑا گیا ہے جیسا کہ اس کے اوراق اور خط سے ظاہر ہوتا ہے۔ [ص ۷]

شیخ ادیب الکمدانی نے کہا: "إنني لا أعطي للمخطوط عمرًا أكثر من

سنتين أو نحو ذلك ''میں سمجھتا ہوں کہ یہ مخطوطہ دو سال یا ان کے قریب کا ہی لکھا ہوا ہے۔[ص ۷]

شیخ محمد زیاد نے کہا: ''أفاد الشيخ الكمداني أنه رآه بورق حديث وخط طري! وأنه لما طولب واضعه الهندي بأصل نسخته أفاد أنه استنسخها من مكتبة بالإتحاد السوفيتي وأنها احترقت ! فبطل أمر المخطوط أصلاً وبان كذب ماجاء فيها أنه نسخت سنة ۹۳۳ في بغداد ''شیخ کمدانی نے بتایا کہ انھوں نے یہ مخطوطہ دیکھا ہے یہ جدید کاغذ پر تازہ خط کے ساتھ لکھا ہوا ہے اور جب اس کے ہندی (پاکستانی) گھڑنے والے سے اصل نسخے کا مطالبہ کیا گیا تو اس نے بتایا کہ اس نے اسے سویت یونین کے کسی مکتبے سے نقل کیا ہے جو کہ جل گیا ہے!۔ مخطوطے کی بات تو اصلاً ہی باطل ہوگئی اور ظاہر ہوگیا کہ یہ جھوٹ ہے کہ یہ نسخہ ۹۳۳ میں بغداد میں لکھا گیا ہے۔[ص ۱۳]

۴ مخطوطے کا خط دسویں صدی ہجری کا خط نہیں ہے بلکہ تازہ خط ہے جسے کسی معاصر آدمی نے لکھا ہے۔[ص ۱۲]

شیخ عبدالقدوس نذیر الہندی گواہی دیتے ہیں کہ یہ خط پاکستان و ہندوستان کے کسی معاصر (ہمارے دور کے آدمی) کا لکھا ہوا ہے۔ اور یہی بات شیخ عمر بن سلیمان الحفیان نے کہی ہے جنھوں نے مصر سے مخطوطات میں ایم اے کیا ہے۔[ص ۱۲]

۵ عیسیٰ الحمیری کا یہ کہنا کہ اس کا (یہ من گھڑت) نسخہ بہت زیادہ صحیح ہے، سرے سے غلط ہے۔ اس (من گھڑت) نسخے کی پہلی حدیث میں صحابی سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا نام سائب بن زید لکھا ہوا ہے جو کہ غلط ہے۔[ص ۱۳] دیکھئے الجزء المفقود (ص ۵۲ حاشیہ: ۱)

۶ اس من گھڑت نسخے کے شروع میں ''کتاب الایمان'' کا باب لکھا ہوا ہے جب کہ حاجی خلیفہ چلپی (حنفی) نے لکھا ہے: ''مرتباً على الكتب والأبواب على ترتيب الفقه''

(یہ مصنف) فقہی ترتیب کے لحاظ سے کتابوں اورابواب پر مرتب ہے۔[کشف الظنون ج۲ص ۱۷۱۲]

ابن خیر الاشبیلی نے اپنی (کتاب) فہرست (ص ۱۲۹) میں لکھا ہے کہ مصنف عبدالرزاق کی ابتدا کتاب الطہارۃ سے ہوتی ہے۔[الرد علی ''الجزء المفقود'' ص ۱۶]

⑦ اس جعلی '' مصنف'' میں عجمیوں کے انداز میں عربی تراکیب بنائی گئی ہیں مثلاً:

''اللهم صل على من تفتقت من نور الأزهار زاد ماء وجهه '' [الجزء المفقود: ۱۱، والرد ص ۲۱]

⑧ محمود سعید ممدوح کے استاد عبداللہ الغماری نے کہا: '' اس روایت کا عبدالرزاق کی طرف منسوب کرنا غلط ہے۔ یہ عبدالرزاق کے مصنف، جامع اور تفسیر میں موجود نہیں ہے اور یہ روایت قطعاً موضوع ہے۔اس میں صوفیوں کی اصطلاحات پائی جاتی ہیں اور عصرِ حاضر میں بعض شنقیطیوں نے اس کی سند ابن المنكدر عن جابر بنالی ہے۔''

[مرشد الحائر لبیان وضع حدیث جابر/ الرد ص ۲۵]

⑨ اس جعلی ''الجزء المفقود'' کے کاتب نے ''دلائل الخیرات'' وغیرہ غیر معتبر کتابوں سے خودساختہ فقرے لے کر ان کی سندیں بنالی ہیں۔[دیکھئے الرد ص ۲۸، ۲۹]

⑩ اس کی سندوں میں واضح جھوٹ لکھے گئے ہیں مثلاً خودساختہ حدیث نمبر ۲ میں لکھا ہوا ہے: ''ابن جريج: أخبرني البراء'' رضی اللہ عنہ، [حالانکہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ ابن جریج کی پیدائش سے پہلے فوت ہوگئے تھے۔] دیکھئے الرد (ص ۳۱)

مختصر یہ کہ یہ زبردست رد ہے جو عربی علماء کی طرف سے شائع ہوا ہے۔

تنبیہ: بعض بریلوی حضرات امام بیہقی کی کتاب دلائل النبوۃ (۴۸۳/۵) سے نور والی من گھڑت روایت کا ایک شاہد پیش کرتے ہیں لیکن یہ شاہد بھی باطل ہے۔اس میں بیہقی کا استاد ابوالحسن علی بن احمد بن سیماء المقرئ مجہول الحال ہے۔ابن سیماء کا ذکر المنتخب من السیاق لتاریخ نیسابور (۱۲۴۹) میں بغیر کسی توثیق کے کیا گیا ہے۔اس ابن سیماء

کی توثیق ہمارے علم کے مطابق کسی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ وما علینا إلا البلاغ

[ماہنامہ الحدیث: ۲۵ صفر و جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ ، جون ۲۰۰۶ء]

تحریر: ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی

الجزء المفقود یا الجزء المصنوع

الجزء المفقود (مصنف عبدالرزاق) کے نام سے طبع ہونے والی من گھڑت کتاب کی کہانی

اسلام کی خالص اور فطری تعلیم میں جب سے تصوف کے نام سے عقائد باطلہ کو شامل کیا جانے لگا ہے اسی وقت سے ہی بدعتی حضرات کی کوشش رہی ہے کہ قرآن وحدیث صحیح پر مبنی عقائد میں تخلیط پیدا کر کے انھیں مشکوک بنا دیا جائے تاکہ اسلامی عقائد اپنی اصلیت پر قائم نہ رہیں ان عقائد باطلہ میں سے ایک عقیدہ یہ ہے کہ "رسول اللہ ﷺ کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے نور سے ہوئی ہے اور آپ ﷺ مبدأ اور منبع مخلوقات ہیں" یہ عقیدہ چونکہ صریحاً قرآن کریم کی متعدد نصوص اور احادیث متواترہ جن میں انبیاء کے عموماً اور رسول اللہ ﷺ کے خصوصاً بشر ہونے کی تصریح کی گئی ہے، کے خلاف ہونے کی بنا پر اختراعی اور افترائی ہے صحابۂ کرام اور تابعین عظام کے دور میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کا یہ عقیدہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ مبدأ خلق اور نور سے پیدا ہوئے ہیں ان زریں ادوار کے بعد واقدی، کلبی اور عبدالرحمان بن زید جیسے مشہور کذابوں نے اس عقیدہ کو رواج دینے کی کوشش کی کہ اللہ کے نبی نور ہیں۔

دراصل یہ عقیدہ تو عیسائیوں کا تھا جو جناب مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں پھر ان سے یہ عقیدہ شیعہ حضرات نے چرا کر اپنے ائمہ پر چسپاں کر دیا کہ ائمہ اہل بیت کی پیدائش نور سے ہوئی ہے۔ [الاصول فی الکافی ص ۳۸۹ ج ۱]

تصوف کی بنیاد شیعیت پر ہے اور انھی حضرات نے تصوف کے ذریعے اس عقیدہ کو اہل سنت میں داخل کیا ہے جس کی وجہ سے یہ باطل عقیدہ صوفیہ حضرات کے ذریعے عام مسلمانوں میں پھیل گیا ہے لیکن ائمۂ اہل سنت نے اس عقیدہ کو ہر دور میں باطل قرار دیا ہے چونکہ اہل بدعت کے اس عقیدہ پر دلیل نہ تھی اور یہ قرآن وحدیث کے متصادم بھی ہے اس لئے اس پر اہل بدعت کو دلیل پیش کرنے کی فکر دامن گیر ہوئی تو پھر کیا تھا ایک دوڑ شروع ہوگئی لیکن دلیل لاتے کہاں سے؟ آخر انھوں نے "أول ما خلق الله نوري" جیسی روایت وضع کر کے بزعمہم دلیل کی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی چند متاخرین سیرت نگار حضرات نے اس من گھڑت روایت کا انتساب امام عبدالرزاق صنعانی کی طرف کر دیا اس لئے کہ ان کی کتاب "المصنف" اہل علم کے ایک مخصوص حلقہ میں معروف اور متداول تھی لیکن ضخیم ہونے کی وجہ سے عوام کی دسترس سے باہر تھی کہ وہ ان کی مذکورہ من گھڑت روایت کی تحقیق کر لیتے کمال یہ ہے کہ اصحاب سیر میں سے جس نے بھی اس روایت کو اپنی کتاب میں درج کیا بغیر سند کے ذکر کیا جو اس بات کی دلیل تھی کہ ان اصحاب سیر نے یہ روایت خود المصنف میں نہیں دیکھی بلکہ نقل در نقل کرتے چلے گئے۔

۱۹۷۰ء میں ایک دیوبندی محقق اعظمی کی تحقیق سے المصنف پہلی مرتبہ زیور طبع سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی تو اس سے (بریلوی) اہل بدعت کی کارستانی کھل گئی کہ المصنف میں تو مذکورہ روایت موجود ہی نہیں اب تو ہماری بات نہیں چلتی کہ ہم کہتے ہیں المصنف میں یہ حدیث ہے تو مخالف حوالہ کا مطالبہ کرتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ان کا تردد اور پریشانی بڑھ جاتی ہے غالباً ۱۹۸۶ء یا ۱۹۸۷ء کی بات ہے راقم الحروف ان دنوں جامعہ رحمانیہ قلعہ (دیدار سنگھ) میں مدرس تھا تو وہاں نور و بشر کی بحث چل نکلی بریلوی مکتب فکر کے ایک عالم (جواب بھی بقید حیات ہیں) نے اس روایت کو مصنف کے حوالے سے پیش کیا تو راقم الحروف نے ان سے حوالہ کا تقاضا کیا تو وہ فرمانے لگے میرے پاس کتاب موجود نہیں

ہے۔راقم نے المصنف کا پورا سیٹ موصوف کے گھر پہنچا دیا چند دنوں بعد انھوں نے یہ کہہ کر المصنف واپس کر دی کہ اس سے وہابیوں نے روایت نکال دی ہے۔کیا ہی خوب جواب تھا کہ وہابیوں نے تو اسے طبع ہی نہیں کیا تو انھوں نے کس طرح اس سے یہ روایت نکال دی؟

الجزء المفقود کی دستیابی کی کہانی

تاہم اہل بدعت اس من گھڑت روایت کے وجود کو ثابت کرنے کی تگ ودو میں رہے بالآخر ۲۰۰۵ء میں ''الجزء المفقود من المصنف'' کے نام سے ایک کتاب شائع کر دی جس میں اس روایت کو امام عبدالرزاق کی سند سے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے ثابت کر دکھایا!

راقم الحروف کے سامنے الجزء المفقود طبعہ ثانیہ کا نسخہ ہے جو مؤسستہ الاشرف لاہور کے زیر اہتمام طبع ہوا ہے اس کے مقدمہ میں اس جزء کی دستیابی کی کہانی کچھ یوں مرقوم ہے جسے ہم خلاصتاً بیان کرتے ہیں اس جزء کے مقدمہ نگار لکھتے ہیں ''مصنف کا جو نسخہ طبع ہوا ہے وہ ناقص ہے اس میں دس باب ساقط ہو گئے ہیں بلاد اسلام کے مختلف علاقوں میں جہاں اس کے وجود کا احتمال تھا اس کی دستیابی کی کوشش کی مگر یہ کوشش ناکام رہی کہ اس کامل نسخہ کا وجود نہ مل سکا۔ بالآخر ہندوستان کے ایک عالم سید محمد امین برکاتی قادری سے دستیاب ہو گیا (مقدمہ ب) اس مفقود کے محقق کوئی دکتور عیسیٰ الحمیر ی ہیں جو خالص صوفی معلوم ہوتے ہیں وہ اس مقدمہ میں لکھتے ہیں: ''حدیث جابر (اور ماخلق اللہ نوری) کی صحت کے بارہ میں بڑا اختلاف پیدا ہوا ہے جسے اہل سیر نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اس کا انتساب سند ذکر کئے بغیر مصنف عبدالرزاق کی طرف کیا ہے ہمارے شیخ غماری اور عمر حمدان نے اس کی دستیابی کی کوشش کی اور اس کے لئے یمن جانے کا قصد کیا تاکہ جو مصنف کا مخطوطہ ہے اس کا سماع کیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ ہوا لیکن تلاش کرنے والوں نے شمالی یمن کی جانب سفر میں کوشش جاری رکھی کہ اس کا کامل اور نادر نسخہ تلاش کیا جا سکے لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہوئے پھر استنبول (ترکی) کے مختلف مکاتب میں اس نسخہ کی تحقیق کی انھوں

نے بہت سے نسخے دیکھے مگر (پھر بھی ناکامی مقدر رہی) بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان نسخوں میں اول اور اوسط حصوں میں نقص ہے جیسا کہ مطبوعہ نسخہ میں نقص ہے میں اس نسخہ کی تلاش میں رہا حتیٰ کہ ہمیں اس نادر نسخہ کا جزء اول اور جزء ثانی ہندوستان کے ایک نیک عالم سید امین برکاتی کے ہاتھ سے دستیاب ہوگیا۔" [ص ۷]

یہ ہے اس نسخہ کی دستیابی کی کہانی، اس نادر اور کامل نسخہ کا وجود عالم اسلام کے تمام معروف مکاتب اور کتب خانوں میں سے نہیں مل سکا جو اسلامی وراثت کے مخزن اور امین ہیں آخر ملا ہے تو وہ بھی ہندوستان کے ایک صوفی صاحب سے جن کے مقام سکونت کو مجہول رکھا گیا ہے تاکہ کوئی تحقیق کرنے والا اس صوفی کے دولت کدہ میں پہنچ کر تحقیق نہ کر سکے۔ اس محقق کی نظر میں ہندوستان تو چھوٹا سا گاؤں معلوم ہوتا ہے کہ بس ہندوستان کا نام لے لیا تو موصوف صوفی صاحب کا ایڈریس معلوم ہوگیا آخر صوفی برکاتی صاحب کے ایڈریس کو پردہ اخفاء میں رکھنے میں کوئی راز تو ہوگا؟

مخطوطہ کا وصف

علم حدیث کی رو سے جب تک کسی مخطوطہ کے بارے میں تسلی بخش معلومات حاصل نہ ہوں قابل قبول نہیں ہوتا یہ بات محقق صاحب کے دل میں کھٹکتی ہوگی اس لئے انھوں نے اپنے مقدمہ میں اس مخطوطہ کا وصف بیان کیا ہے موصوف لکھتے ہیں: "اس مخطوطہ کو اسحاق بن عبدالرحمٰن سلیمانی نے تحریر کیا ہے جیسا کہ آخر میں ہے قد انتھی من نسخه یوم الإثنين وثلاثين وتسعمائة من هجرة سيد المرسلين ﷺ ببغداد [ص ۱۰] اس نسخہ کی کتاب کی تکمیل سوموار کے روز نو رمضان ۹۳۲ھ کو بغداد میں ہوئی۔"

اعتراضات

محقق کی عبارت پر چند اعتراضات ہیں:

اولاً: ضروری ہے کہ ناسخ کا تعارف معلوم ہو، اس کی علمی حیثیت کیا ہے وہ ثقہ تھا یا غیر ثقہ؟

ثانیاً: ناسخ نے اپنے مخطوطہ کو کس مخطوطہ سے لکھا ہے۔

ثالثاً: ناسخ سے لے کر امام عبدالرزاق تک سند موجود ہو۔

رابعاً: جس جگہ سے مخطوطہ دستیاب ہوا ہے وہاں تک مخطوطہ کیسے پہنچا اس کے بارے میں پوری تفصیل موجود ہو ورنہ یہ مخطوطہ من گھڑت اور جعلی قرار پاتا ہے۔

تبصرہ

اس جزء پر ان تمام اعتراضات کے جوابات دینا ناممکن ہی نہیں بلکہ محال ہے اولاً: تو جناب سلیمانی کا کوئی تعارف نہیں دیا گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مجہول ہے لہٰذا ساقط العدالت اور قابل قبول نہیں اس لئے کہ مجہول کی روایت قابل قبول نہیں ہوتی۔ (مقدمہ ابن الصلاح) ثانیاً: یہ بھی کوئی تفصیل نہیں کہ دسویں صدی ہجری میں لکھا جانے والا نسخہ کس نسخہ کی نقل ہے اور جس نسخہ کی نقل ہے اس کا ناقل کون ہے؟ یہ سب باتیں مجہول و مشکوک ہیں۔ ثالثاً: سلیمانی سے لے کر امام عبدالرزاق تک کوئی سند موجود نہیں ہے نسخے کا آغاز ہی عبدالرزاق سے ہوا۔

حالانکہ امام عبدالرزاق اور سلیمانی تک سات صدیوں سے زیادہ فاصلہ حائل ہے جس کے طے کرنے میں مسافروں کی گردنیں ٹوٹ جاتی ہیں لیکن وہ طے نہیں ہوسکتا ہے۔ محدثین کے نزدیک جس سند میں صرف ایک راوی ساقط ہو وہ قابل قبول نہیں ہوتی۔ سلیمانی سے لے کر امام عبدالرزاق تک ہوسکتا ہے بیس سے بھی زائد واسطے منقطع ہوئے ہوں لہٰذا اس مفقود جزء کے باطل ہونے میں کوئی شک وہ شبہ نہیں رہتا یہ تو اس نام نہاد جزء مفقود کے باطل ہونے کی چند ظاہری علامتیں تھیں۔

جزء کے من گھڑت ہونے پر جزء کی شہادت

معلوم ہوتا ہے کہ اس جزء کے محقق کو بھی اس نسخہ کے اصل ہونے کا یقین نہیں ہے اس لئے خود لکھتے ہیں "مخطوطہ کی تحقیق کے بعد جو نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ نسخہ ہمارے پاس ہے اس پر کسی قسم کے سماع نہیں ہیں جو نسخہ کاملہ میرے اختیار میں ہے اس میں صرف اوّل اور ثانی جلد ہے میں حکم کو اس کے قاری اور خواص حضرات پر چھوڑتا ہوں اور اس جزء کو قراء کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔" [ص ۱۵ ملخصاً]

اگر محقق کو اس نسخہ کے اصل ہونے کا یقین ہوتا تو فیصلہ قراء اور خواص پر نہ چھوڑتے بلکہ پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ کہتے کہ یہ مخطوطہ اصل ہے اس کی صحت میں کوئی شک نہیں۔ محقق نے فیصلہ چونکہ اس کے قراء پر چھوڑا ہے لہٰذا راقم الحروف بحیثیت اس مخطوطہ کے جو طبع ہو کر میرے ہاتھ پہنچا ہے ایک قاری ہونے کے ناطے اس مخطوطہ کی اندرونی کہانی یعنی عبدالرزاق سے لے کر صحابی رسول تک سند اور پھر اس کے بعض متون پر بحث کا جو محقق نے حق سونپا ہے اس کے مطابق اس مخطوطہ کے ماله وماعليه پر ناقدانہ تبصرہ کرتا ہے۔ وباللہ التوفیق

اصل بحث سے قبل یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ علم حدیث کا تمام تر مدار سند پر ہے اگر کسی حدیث کی سند درست نہیں تو پھر یقین کر لینا چاہیے کہ وہ حدیث ثابت نہیں یہ اسلامی علمی ورثہ کا امتیاز ہے جو دنیا کے کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے۔ (تفصیل راقم الحروف کی کتاب خصائل محمدی شرح شمائل ترمذی حدیث نمبر ۱۴۱ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔)

آغاز ہی غلط ہے

مخطوطہ کے پہلے صفحہ کی مطبوع نسخہ میں تصویر دی گئی ہے اس کی ابتدا ایسی ہے عبدالرزاق عن معمر عن الزهري عن السائب بن زيد (ص ۱۸) اس سند کے مطابق یہ نسخہ ہی مجہول قرار پاتا ہے۔ کیونکہ سائب بن زید نام کا کوئی صحابی نہیں ہے بلکہ یہ نام اختراعی ہے اس کے محقق کے لئے یہ نام پریشانی کا باعث بنا تھا لہٰذا جب اصل کتاب

کا آغاز کیا تو یہ نام ہی بدل دیا سائب بن زید کے بجائے یزید کر دیا اور اس پر حاشیہ لکھا کہ مخطوطہ میں زید ہے اور درست یزید ہے (ص ۵۲) گویا کہ انھوں نے آغاز ہی تحریف سے کیا اب زید غلط اور یزید کے درست ہونے کے لئے کسی مستند دلیل کی ضرورت تھی جو محقق نے ذکر نہیں کی بلکہ بلا دلیل زید کو یزید بنا دیا اب اگر زید غلط تھا تو اس کی تصحیح کے لئے جو اصول ہے اس کے مطابق تصحیح کرنی چاہیے تھی وہ یہ تھا کہ ہمارے پاس جو مخطوطہ ہے اس میں کاتب کی تصحیف ہے اس کے فلاں مخطوطہ میں سائب بن یزید ہے لیکن کس مخطوطہ سے تصحیح کرتے جبکہ دنیا میں اس کا تو ایک ہی مخطوطہ ہے جو صرف ان کے پاس ہے اگر وہ کسی دوسرے مخطوطہ کا حوالہ دیتے تو ان کی چوری پکڑی جاتی اور ان کا مشن ہی ادھورا رہ جاتا۔

ثانیاً: اگر کوئی دوسرا مخطوطہ پاس نہ ہو تو ایسی صورت میں روایت جو اس مخطوطہ میں ہے اس کی تخریج کسی دوسری حدیث کی معتبر کتاب سے کر دی جاتی اور واضح کیا جاتا کہ فلاں کتاب میں یہ روایت اس سند سے ہے اس میں زید کے بجائے یزید ہے لیکن چونکہ یہ روایت خود گھڑی ہوئی ہے جس کا حدیث کی کسی کتاب میں پایا جانا محال ہے تو وہ تخریج کس کتاب سے کرتے؟ بہر حال اس مخطوطہ کی پہلی حدیث کی سند ہی اس کے باطل ہونے کی شاہد عدل ہے۔ ثالثا: اگر کہا جائے کہ یہ ناسخ کی تصحیف ہے تو تب بھی یہ روایت غیر معتبر ٹھہرتی جس سے پہلی سند ہی میں تصحیف ہوئی ہے (اس نے) متن میں کیا گل کھلائے ہوں گے؟ فتدبر

مخطوطہ کے نسخ کے لئے حدیث میں چند شرائط اور قیود ہیں جو حافظ ابن الصلاح نے اپنے مقدمہ فی علوم الحدیث میں ذکر کی ہیں ان میں تیسری شرط ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ولا بد من شرط ثالث وهو أن يكون ناقل النسخة من الأصل غير سقيم النقل بل صحيح النقل قليل السقط" اور ایک تیسری شرط بھی ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ اصل (کتاب) سے نسخہ نقل کرنے والا غلط نقل کرنے والا نہ ہو بلکہ صحیح نقل

کرنے والا اور (بہت) کم غلطیاں کرنے والا ہو۔[مقدمہ ۹۳ دوسرا نسخہ ۲۱۱]

اگر تصحیف مانی جائے تو تب بھی یہ مخطوطہ اس اصول کے تحت غیر صحیح قرار پاتا ہے اس لئے کہ اس نسخے کا آغاز ہی ایک عظیم خطا سے ہوا ہے۔ جو واضح کرتا ہے کہ ناسخ صحیح النقل نہیں ہے۔

مخطوطہ کے من گھڑت ہونے کی دوسری دلیل

کسی مخطوطہ یا روایت کے من گھڑت ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ کوئی راوی اس شیخ سے سماع اور تحدیث کی صراحت کے ساتھ روایت کرے جو اس کی ولادت سے پہلے یا سنِ تحمل سے پہلے فوت ہو گیا ہو۔

حسان بن زید فرماتے ہیں: لم يستعن على الكذابين بمثل التاريخ يقال للشيخ سنة كم ولدت فاذا أقر بمولده مع معرفتنا الوفاة الذي انتمى اليه عرفنا صدقه من كذبه . [الاعلان بالتوبیخ ص ۹ وتاریخ بغداد ۳۵۶/۱، ۳۵۷ وسندہ حسن الی حسان بن زید، الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ۱۳۱/۱ ح ۱۴۳]

"کذاب لوگوں کی حقیقت جاننے کے لئے تاریخ سے بہتر کوئی معاون نہیں ہے شیخ سے پوچھا جائے کہ تو کب پیدا ہوا ہے جب وہ اقرار کرے تو جس سے وہ روایت کر رہا ہے اس کی وفات کو دیکھا جائے تو اس کا صدق کذب سے ظاہر ہو جائے گا۔"

اسی بنا پر محدثین نے راویوں کی پیدائش اور وفات کی تاریخوں کا اہتمام کیا ہے تاکہ جھوٹ اور سچ میں تمیز ہو سکے امام سفیان ثوری فرماتے ہیں: لما استعمل الرواة الكذب استعملنا لهم التاريخ "جب راویوں نے جھوٹ سے کام لینا شروع کیا تو ہم نے (ان کی پیدائش اور وفات کی) تاریخ کو استعمال کیا۔"

[الکفایہ ص ۱۱۹ والکامل لابن عدی ۹۷/۱]

امام حفص بن غیاث نے تو کیا خوب بات کہی ہے: إذا اتهمتم الشيخ فحاسبوه

بالسنین یعنی احسبوا سنه وسن من کتب عنه ''جب تم کسی راوی کو متہم خیال کرو تو اس کے سالوں کا حساب کرو یعنی اس کی عمر اور جس سے اس نے روایت لکھی ہے اس کی عمر شمار کرو۔'' [الکفایۃ ص ۱۱۹]

جب ہم محدثین کے اس اصول کی روشنی میں اس مخطوطہ کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم پر نصف النہار کی طرح واضح ہوتا ہے کہ یہ مخطوطہ من گھڑت ہے جس کے دلائل یہ ہیں کہ اس مخطوطہ کی حدیث نمبر ۲ کی سند اس طرح ہے عن ابن جریج قال أخبرنی البراء (ص ۵۵) یہ سند ڈنکے کی چوٹ اعلان کرتی ہے کہ یہ مخطوطہ مصنوعی ہے اس لئے کہ سیدنا براء رضی اللہ عنہ کی وفات ۷۲ھ میں ہوئی (التقریب ص ۴۳) اور ابن جریج کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی ہے (التہذیب ص ۴۰۵ ج ۶) اس سے واضح ہے کہ سیدنا براء رضی اللہ عنہ جناب ابن جریج کی پیدائش سے آٹھ سال قبل فوت ہو چکے تھے تو کیا انھوں نے دوبارہ زندہ ہو کر ابن جریج کو اس حدیث کی خبر دی تھی؟ محدثین کے اصول کے مطابق تو یہ سند من گھڑت ہے لیکن صوفیوں کے نزدیک سب کچھ ممکن ہے اس لئے کہ نظام تصوف میں فوت شدگان سے دنیاوی زندگی کی طرح استفادہ ممکن ہے جیسا کہ ان کی خرقہ کی کہانی ہے کہ مرید اپنے شیخ سے اس کی وفات سے سو برس بعد بھی خرقہ پہن لیتا ہے۔ [ملاحظہ ہو دین تصوف بحث خرقۂ صوفیاء طبع سا ہو والہ]

پھر یہ کتابت کی غلطی بھی نہیں ہے اس لئے کہ محقق صاحب نے اس پر یوں تعلیق لکھی ہے کہ "ابن جریج حافظ ثقة وکان یدلس فقد صرح هنا بالاخبار (ص ۵۵)'' ابن جریج حافظ ثقہ تھے جو تدلیس کرتے تھے لیکن اس جگہ انھوں نے (سماع) کی تصریح کی ہے۔ بلاشبہ کتابت کی غلطی نہیں بلکہ اس جزء کے من گھڑت ہونے کی کہانی ہے۔

من گھڑت ہونے کی تیسری دلیل

اس مخطوطہ کی حدیث نمبر ۲۴ کی سند اس طرح ہے'' عن ابن جریج عن الزهري

أنـه سـمـع عقبة بن عامر (ص۸۴)'' امام زہری نے عقبہ بن عامر سے سنا۔ حالانکہ زہری کا عقبہ بن عامر سے سماع ثابت نہیں اس کا اعتراف محقق صاحب کو بھی ہے فرماتے ہیں کہ ''ہمارے پاس جو کتب جرح وتعدیل موجود ہیں کسی ایک میں بھی زہری کا عقبہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں زہری ۵۰ھ کو پیدا ہوئے اور عقبہ خلافت معاویہ کے آخر ۶۰ھ میں فوت ہوئے عقبہ کی وفات کے وقت زہری کی عمر دس سال بنتی تھی تو اس سے احتمال پیدا ہوتا ہے کہ زہری نے عقبہ سے سنا ہوگا اس لئے کہ علمائے حدیث نے پانچ سال کی عمر کو سن تحمل قرار دیا ہے جیسا کہ ابن الصلاح نے اپنے مقدمہ میں نقل کیا ہے۔ زہری کے عقبہ سے اثباتِ سماع کا احتمال ہے تو اس حساب سے سند صحیح ہوگی ورنہ منقطع ہے۔[ص۸۵]

موصوف کا محض احتمال کے ساتھ سماع ثابت کرنا علمی دیانت اور امانت کے تقاضے پورے نہیں کرتا پھر جب خود اقرار کرتے ہیں کہ کتب جرح وتعدیل میں زہری کا عقبہ سے سماع کا کوئی ثبوت نہیں تو یہ سماع احتمال سے کیسے ثابت ہوسکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ موصوف کا احتمال بھی باطل ہے اس لئے کہ سن ولادت میں چار اقوال ہیں ۵۰ھ، ۵۱ھ، ۵۶ھ اور ۵۸ھ (التہذیب ص۴۵۰ ج۹) اور عقبہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۵۸ھ کو ہوئی ہے۔

[سیر اعلام النبلاء ص۴۶۹ ج۲ وتہذیب التہذیب ص۲۴۳ ج۷]

زہری کی ولادت اگر ۵۰ھ کو تسلیم کر لی جائے تو پھر بھی ان کی سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ممکن نہیں اس لئے کہ عقبہ کو امیر المؤمنین معاویہ نے اپنے دور میں ۴۴ھ میں مصر کا عامل مقرر کیا تھا اور یہ تین سال وہاں عامل رہے پھر ۴۷ھ میں ان کو معزول کر کے غزوۂ رودس میں بھیج دیا گیا (پھر یہ تا حیات اسی علاقے میں رہے) اور ۵۸ھ کو مصر میں فوت ہو کر جبل مقطم میں مدفون ہوئے (التہذیب ص۲۶۲ ج۷ دوسرا نسخہ ص۲۱۶) اور یہ ثابت نہیں کہ موصوف ولایت مصر کے بعد اور غزوۂ رودس کے بعد پھر کبھی مدینہ منورہ آئے ہوں یا پھر امام زہری ۵۸ھ تک کے عرصہ میں کبھی مصر گئے ہوں کہ ان کی ملاقات سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ سے ہوگئی ہو پھر کسی بھی حدیث کی معتبر کتاب میں ایسی سند موجود نہیں کہ جس میں زہری نے سمعت

عقبة فرمایا ہواس لئے جب ملاقات ہی نہیں ہوئی تھی تو وہ بھلا کیسے سمعت فرما سکتے تھے!
یہی وہ حقیقت ہے جس کا محقق صاحب نے بھی دبے الفاظ میں فھو منقطع کا اعتراف کیا
ہے کہ یہ منقطع ہے۔ بات منقطع ہونے کی نہیں بلکہ دعویٰ سماع کی ہے جو اس جزء کے باطل
ہونے کی ایک واضح دلیل ہے۔

من گھڑت ہونے کی چوتھی دلیل

حدیث نمبر ۲۸ کی سند اس طرح ہے ''عبدالرزاق قال أخبرنی الزھري عن
سفیان بن شبرمة (ص ۸۸) کہ امام عبدالرزاق فرماتے ہیں مجھے زہری نے خبر دی۔''
اس کے باطل ہونے کے لئے کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں خود محقق صاحب کی
تحقیق ہی اسے باطل قرار دیتی ہے چنانچہ امام زہری کے بارے میں لکھتے ہیں ۱۲۵ھ کو فوت
ہوئے (ص ۵۱) اور امام عبدالرزاق کے بارے میں لکھتے ہیں ۱۲۶ھ کو صنعا میں پیدا ہوئے
(ص ۲۳) گویا محقق صاحب کی تحقیق کے مطابق امام زہری امام عبدالرزاق کی پیدائش سے
ایک سال پہلے وفات پا چکے تھے تو کیا امام عبدالرزاق نے زہری سے سماع ان کی وفات
کے بعد کیا تھا؟ کلا إنه لباطل

پانچویں دلیل

حدیث نمبر ۳۰ کی سند اس طرح ہے ''عن الزھري عن ابن عیینة عن یزید
الرقاشی (ص ۸۹) زہری جو امام ابن عیینہ کے استاد ہیں وہ ابن عیینہ سے اور وہ یزید
الرقاشی سے بیان کرتے ہیں۔''
ناسخ نے سند کو الٹ دیا استاد کو شاگرد اور شاگرد کو استاد بنا دیا یہ سب حدیث میں کذب
بیانی کے کرشمے ہیں حدیث رسول میں کاذب کا کذب چھپا نہیں رہتا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے
دین کی حفاظت کی خاطر اسے ظاہر کر دیتا ہے ہم نے تو صرف چند اسناد پر بحث کی ہے جس

سے اس مخطوطہ کا من گھڑت ہونا لازم آتا ہے تفصیلی جائزہ لیا جائے تو مزید عجائبات کا انکشاف ہو جائے گا۔ (ان شاء اللہ)

متن پر بحث

اگر اس کے متن پر غور کیا جائے تو اسناد سے بھی زیادہ شگوفے نظر آئیں گے دراصل اس جزء کو چند بدعتی مولویوں نے صرف ایک مسئلہ کے لئے وضع کیا ہے تا کہ ثابت کیا جا سکے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی مجسم نور ہے جو اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئی ہے جیسا کہ برصغیر کے اہل بدعت کا عقیدہ ہے ضمناً چند وضو کے مسائل بھی ذکر کئے ہیں جیسا کہ اس جزء کے محقق نے خود اعتراف کیا ہے کہ اصل کوشش تو حدیث جابر کی دستیابی تھی۔

[مقدمہ ص٦، ٧]

قارئین کرام! اس جزء میں نور کے موضوع پر ایک مرفوع روایت ہے جو سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے نام کی طرف منسوب ہے اور ایک موقوف روایت ہے جو سیدنا سائب رضی اللہ عنہ کے نام کی طرف منسوب ہے باقی چند آثار ہیں ان میں سے اکثر کا تعلق رسول اکرم ﷺ کے حسن اور جمال سے ہے البتہ بعض میں نورانیت کا بھی شائبہ ہے لیکن وہ آثار فی الحال ہماری بحث سے خارج ہیں ان پر تفصیلی بحث ہم ایک مستقل کتاب میں کریں گے۔ ان شاء اللہ جس میں اس مصنوعی مخطوطہ پر تفصیل سے بحث ہوگی۔

نورانیت سے متعلقہ روایتوں میں تعارض ہے سائب کی روایت اس طرح شروع ہوتی ہے: "إن اللّٰه خلق شجرة ولها أربعة أغصان فسماها شجرة اليقين ثم خلق نور محمد۔ اللہ تعالیٰ نے ایک درخت کو پیدا کیا جس کی چار شاخیں تھیں اس کا نام یقین کا درخت رکھا پھر نورِ محمد کو پیدا کیا۔" [حدیث نمبر ا ص ۵۲]

اور دوسری روایت اس طرح ہے: "سألت رسول اللّٰه ﷺ عن أول شئى خلقه اللّٰه تعالىٰ؟ فقال: هو نور نبيك يا جابر خلقه ثم خلق فيه كل خير۔ میں

نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کونسی چیز پیدا کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے جابر وہ تیرے نبی کا نور ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور میں ہر خیر کو پیدا کیا۔" [حدیث نمبر ۱۸ ص ۶۴]

پہلی روایت بتاتی ہے کہ سب سے پہلے ایک درخت پیدا ہوا تھا اور اس کے بعد نورِ محمد کی تخلیق ہوئی ہے جبکہ دوسری روایت بتاتی ہے نورِ محمد کی تخلیق تمام اشیا سے پہلے ہوئی ہے ان دونوں روایتوں میں تعارض واضح ہے یہ دونوں روایتیں عجائبات صوفیہ میں سے ہیں جنھیں پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ کسی دشمن اسلام نے گہری سازش کے تحت انھیں گھڑا ہے اور مضمون کے لحاظ سے دیومالا کہانیوں سے کسی طرح کم نہیں ہیں جن کا وجود کتاب وسنت سے تو ممکن نہیں البتہ افسانوں میں ہو تو کچھ کہا نہیں جا سکتا پھر روایت جابر کا متن پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ تمام مخلوقات، رسول اللہ ﷺ کے نور سے پیدا ہوئیں۔

روایت نمبر ا بتاتی ہے کہ یہود ونصاریٰ اور دیگر تمام کافر بھی رسول اللہ ﷺ کے نور سے ہی پیدا ہوئے ہیں اس جزء کی اشاعت کرنے والوں کو اب حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی بشریت سے انکار کر کے نور ہونے کا اعلان کر دیں کیونکہ وہ بھی تو آخر ان روایات کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں اور ظاہر ہے نور سے بشر تو پیدا نہیں ہوتا۔

قرآن اور احادیث متواترہ سے تعارض

بلاشبہ ان دونوں روایات کا متن جو تقریباً آٹھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے صریحاً قرآن واحادیث متواترہ کے معارض ہے ائمۂ کرام نے موضوع روایت کی ایک علامت یہ بھی ذکر کی ہے کہ وہ روایت قرآن کریم اور سنت متواترہ یا اجماع قطعی کے خلاف ہو۔

[تدریب ص ۱۵۰ ج ۱]

قرآن کریم کی متعدد نصوص، احادیث متواترہ اور خیر القرون کے تمام مسلمانوں کا اجماع اسی پر تھا کہ رسول اللہ ﷺ بشر ہیں اور آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں جس سے

بداہتہً واضح ہے کہ یہ دونوں روایتیں من گھڑت ہیں۔

رکاکۃ الألفاظ

ان دونوں روایتوں کے من گھڑت ہونے کی ایک یہ بھی واضح دلیل ہے کہ یہ روایتیں رکیک الالفاظ ہیں۔ رکیک الفاظ ہونے کا معنی یہ ہے کہ الفاظ فصاحت و بلاغت کے خلاف ہوں یا ایسے غیر مانوس ہوں کہ ان کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف غیر مناسب ہو ان دونوں روایات میں رکاکت الفاظ کی بھر مار ہے ان کا طویل متن ایک داستان کا عندیہ پیش کرتا ہے اور وہ گواہی دیتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس قسم کا کلام صادر نہیں ہوسکتا یہی وجہ ہے کہ اس جزء کے محقق صاحب کو بھی ان روایات میں الفاظ رکیک ہونے کا اعتراف ہے اسی لئے تو انھوں نے اپنے مقدمہ میں اس کے دفاع کی کوشش کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں: ''ہمارے دور کے بعض محدثین نے حدیث جابر میں رکاکت الفاظ کا کثرت کے ساتھ ذکر کیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ متقدمین اور متأخرین نے اپنی کتابوں میں وضاحت کی ہے کہ حدیث کو صرف رکاکت الفاظ کی وجہ سے رد نہیں کیا جاسکتا'' پھر حافظ ابن حجر کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''صرف رکیک الفاظ روایت کے موضوع ہونے پر دلالت نہیں کرتے ہاں جب لفظ اور معنی میں رکاکت ہو تو وہ روایت موضوع ہوگی۔'' [ص ۲۶، ۲۸]

موصوف نے ان روایات میں الفاظ کے رکیک ہونے کا انکار نہیں کیا آخر انکار کرتے کیسے جبکہ یہ روایات رکاکتِ الفاظ کا ہی تو مجموعہ ہیں۔

ہاں! دفاع یہ کیا ہے کہ روایت کے موضوع ہونے کے لئے صرف الفاظ کی رکاکت کافی نہیں جب تک اس کے ساتھ معنی کی رکاکت شامل نہ ہو راقم الحروف کہتا ہے ان روایات میں جیسے الفاظ کی رکاکت کی کثرت ہے معنی میں وہ رکاکت اس سے بھی کئی گنا زیادہ موجود ہے رہا موصوف کا یہ کہنا کہ متقدمین ائمہ رکاکت کی وجہ سے حدیث کو موضوع نہیں کہتے تھے حقائق کے منافی ہے حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں: فقد وضعت

أحاديث طويلة يشهد بوضعها ركاكة ألفاظها ومعانيها. ''لمبی لمبی روایتیں وضع کی گئیں جن کے الفاظ اور معانی کی رکاکت ان کے من گھڑت ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔''

[مقدمہ ابن الصلاح ص ۴۷]

اور یہی بات بعینہٖ امام نووی نے التقریب مع التہذیب ص ۱۴۹ ج ۱ میں اور حافظ عراقی نے الفیہ مع فتح الباقی ص ۲۲۵ میں اور اس کے قریب قریب علامہ ابن جوزی نے کتاب الموضوعات ج ۱ میں فرمائی ہے جس سے واضح ہے کہ محدثین کے نزدیک یہ دونوں روایتیں رکاکت الفاظ اور معانی کی وجہ سے من گھڑت ہیں الغرض یہ ہے حقیقت اس نام نہاد جزء مفقود کی کہ جس کے من گھڑت ہونے کے لئے کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں بلکہ اس کی دستیابی کی کہانی اسناد میں کذب بیانی اور متن میں افسانوی انداز اس کے من گھڑت ہونے پر شاہد عدل ہیں جو اس بات کا جلی حروف میں اعلان ہے کہ امام عبدالرزاق کا اس جزء کے ساتھ کوئی تعلق نہیں وہ اس کی تالیف سے بالکل بری ہیں یہ تو اہل بدعت صوفیوں کی کارستانی ہے کہ انھوں نے اپنے ایک باطل نظریہ جو قرآن کریم اور احادیث متواترہ کی نصوص کے صریحاً خلاف ہے، کو ثابت کرنے کے لئے حدیث متواتر من كذب علی متعمداً فليتبوأ مقعده من النار کو پس پشت ڈال کر مذکورہ روایات کے وضع کرنے کا دھندا کیا ہے۔

❋❋❋

تحریر: محمد داود ارشد، نارنگ منڈی　　　　مراجعت: ارشاد الحق اثری

مصنف عبدالرزاق کا جزء مفقود

ذخیرۂ کتب احادیث میں ایک کتاب امام عبدالرزاق رحمہ اللہ کی ''المصنف'' ہے جو سب سے پہلے حبیب الرحمٰن اعظمی کی تحقیق سے ۱۳۹۰ھ یعنی 1970ء میں حیدر آباد دکن سے زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہوئی۔ مگر یہ طبع اپنی ابتدا کے اعتبار سے ناقص ہے بلکہ اس کی پانچویں جلد کی ابتدا میں بھی نقص پایا جاتا ہے، جیسا کہ خود انھوں نے پہلی جلد کی ابتدا میں اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

"إن النسخ التي عثرنا عليها أو التي أحرزناها مصورة أو مخطوطة.... كلها ناقصة إلا نسخة مراد ملا (بالاستانه)۔ فإنها كاملة إلا نقصاً بسيطاً في أولها وفي فاتحة المجلد الخامس من مجلد ات الأصل فيما نرى"

[(مصنف عبدالرزاق کے) جو نسخے ہمیں ملے ہیں اور جنھیں ہم نے اکٹھا کیا ہے، فوٹوسٹیٹ ہوں یا قلمی، سب ناقص ہیں سوائے مراد ملا کے (آستانہ والے) نسخے کے، یہ مکمل نسخہ ہے سوائے اس کے کہ اس کے شروع میں تھوڑا سا نقص ہے اور اصل کی پانچویں جلد کے شروع میں ہمارے علم کے مطابق کچھ نقص (کمی) ہے۔ مصنف عبدالرزاق (ج ۱ ص ۳)]

اب حال ہی میں المصنف کا ابتدائی حصہ ڈاکٹر عیسیٰ بن عبداللہ حمیری کی تحقیق سے ۲۰۰۵ء میں طبع ہوا جس پر ناشر کا کوئی نام نہیں۔ البتہ اسی نسخہ کا عکس بعد میں دسمبر ۲۰۰۵ء ہی میں مؤسسۃ الشرف لاہور کے تحت.... محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب کے مقدمۃ الطبعۃ الثانیۃ کے ساتھ طبع ہوا۔ اسی نسخہ کے بارے میں پہلے ماہنامہ ''نور الحبیب'' بصیر پور میں جولائی ۲۰۰۴ء کی اشاعت میں اور اس کے بعد ماہنامہ ''اہلسنت'' گجرات میں اگست ۲۰۰۴ء، کی اشاعت میں، پھر ''سوئے حجاز'' لاہور اکتوبر ۲۰۰۴ء کی اشاعت میں ''عالم اسلام کے لئے عظیم خوشخبری'' کے عنوان سے اشتہارات شائع ہوئے جن میں یہ خوشخبری دی گئی کہ حدیث نور اور حدیث عدم سایہ کی بازیافت ہو چکی جو المصنف عبدالرزاق

کا ابتدائی حصہ ہے اور عنقریب منصۂ شہود پر آنے والا ہے۔ بلکہ ''سوئے حرم'' نے تو اس حوالے سے سات احادیث بھی شائع کر دیں جو اسی موضوع سے متعلق تھیں۔

حدیث شریف کی خدمت بلاشبہ بڑی عظیم الشان سعادت ہے اور احادیث مبارکہ کے نایاب جواہر پاروں کو تلاش کر کے زیور طبع سے آراستہ کرنا دین کی بہت بڑی خدمت ہے۔ تاہم یہ بات بہر نوع ضروری ہے کہ پوری ژرف نگاہی اور دیانت داری سے یہ کھوج لگایا جائے کہ اس کتاب یا جز کا پایۂ استناد وانتساب کس حد تک درست ہے۔ محدثین کرام نے اس کے لئے جو اصول وضوابط مقرر کیے ہیں کیا یہ رسالہ اور جزء اس میزان پر صحیح طور پر پورا اترتا ہے یا نہیں؟

ہم جب اسی حوالے سے المصنف کے اس حصہ کا جائزہ لیتے ہیں تو کئی اعتبار سے اس کا انتساب امام عبدالرزاق کی طرف درست ثابت نہیں ہوتا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

1 پہلی بنیادی اور قابل غور بات تو یہ ہے کہ ڈاکٹر عیسیٰ حمیری نے اس نسخہ کے بارے میں لکھا ہے:

"ولیس علی النسخة التی بین یدینا أیة سماعات وھی نسخة کاملة أملك منھا الآن المجلدین الأوّل والثانی فقط وأترك الحکم للقاري الکریم وأھل الإختصاص وأضع بین أیدیھم الجزء المفقود"

ہمارے سامنے جو نسخہ ہے، اس پر کوئی سماعات نہیں۔ یہ نسخہ کامل ہے اور مجھے اس کی صرف جلد اوّل اور ثانی دستیاب ہوئی ہے۔ اس کے بارے میں فیصلہ قارئین کرام اور مختصین پر چھوڑتا ہوں اور اس میں سے گمشدہ حصہ کو ان کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

[ص ۱۴، ۱۵]

سماعات، سماع کی جمع ہے جب ایک قلمی نسخہ اہل علم خود پڑھتے یا تلامذہ استاد پر اس کی قراءت کرتے تو اس پر لکھ دیتے تھے کہ یہ فلاں فلاں نے پڑھایا یا سنا ہے۔ مگر اس نسخہ کے بارے میں ڈاکٹر الحمیری نے فرمایا ہے کہ اس پر کوئی سماعات نہیں ہیں۔ پھر خود ان کا یہ فرمانا

کہ ''اس کے بارے میں فیصلہ قارئین کرام اور متخصصین پر چھوڑتا ہوں۔''

بجائے خود اس بات کا اظہار ہے کہ انھیں بھی اس کے بارے میں کامل اعتماد نہیں کہ اس کی نسبت المصنف للإمام عبدالرزاق کی طرف درست ہے یا نہیں؟

۲ اس مخطوطہ کے ناسخ اسحٰق بن عبدالرحمٰن سلیمانی ہیں۔ اس کا جز اوّل انھوں نے ۹ رمضان المبارک ۹۳۳ھ میں لکھا، جیسا کہ اس جز کے عکس سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ ناسخ کون ہیں؛ ثقہ ہیں یا نہیں؟ اس کے بارے میں ڈاکٹر حمیری بھی خاموش ہیں۔ اس کا ترجمہ وتوثیق بھی متداول کتب میں کہیں نظر نہیں آتی ہے۔ جب کہ ناسخ کے بارے میں یہ شرط بھی ہے کہ وہ ثقہ اور معروف الخط ہو، چنانچہ علامہ سیوطی نے ذکر کیا ہے:

''جس طرح یہ شرط ہے کہ کتاب کے بارے میں یہ اطمینان ہونا چاہیے کہ اس میں کوئی تغیر اور تبدیلی نہیں ہوئی، اگر اس کے بارے میں شک ہو تو اس سے روایت درست نہیں، اس طرح یہ بھی شرط ہے کہ اس کا ناسخ ثقہ ہو، لیکن: إن لم یکن الکتاب بخط ثقة بلا خلاف [تدریب الراوی: ج ۲ ر ص ۶۸ النوع ۲۶] ''اگر کتاب ثقہ ناسخ سے نہ ہو تو بھی بلا اختلاف اس پر اعتماد درست نہیں۔''

یہی بات اس سے پہلے النوع ۲۵ میں علامہ نووی نے ایک دوسرے اُسلوب میں فرمائی ہے۔ لہٰذا جب اس نسخہ کے ناسخ کا ثقہ ہونا ثابت نہیں، نہ اس میں اپنے سماع کا ذکر کیا اور نہ ہی کسی محدث سے اس نسخہ کے بارے میں اعتماد نقل کیا تو اس نسخہ کا اعتبار کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

۳ جناب ڈاکٹر حمیری نے یقیناً خدمتِ حدیث کے جذبہ سے الجزء المفقود من الجزء الأول من المصنف طبع کرایا۔ مگر کیا ان کے علم میں یہ نہیں کہ المصنف کے مطبوعہ نسخہ کی جلد خامس بھی ابتدا سے ناقص ہے جس کا اظہار... حبیب الرحمٰن صاحب نے پہلی جلد کی ابتدا ہی میں کیا ہے۔ اب جب کامل نسخہ دستیاب ہوا ہے تو خدمت سنت کا کیا یہ

تقاضا نہ تھا کہ اس حصہ کو بھی طبع کیا جاتا یا کم از کم اس کا اظہار ہی کر دیا جاتا کہ دوسرے نقص کا جو اشارہ حبیب الرحمٰن اعظمی نے کیا ہے، وہ غلط ہے اور وہاں کوئی نقص نہیں، خدمت سنت کا یہ جذبہ آخر اس بارے میں خاموش کیوں ہے؟

④ المصنف کے مطبوعہ نسخہ سے عیاں ہوتا ہے کہ امام عبدالرزاق نے المصنف میں باقاعدہ کتاب اور اس کے تحت ابواب مرتب کئے ہوئے ہیں۔ مثلاً پہلی جلد کی ابتدا میں کتاب الطہارۃ نہیں۔ اس کے بعد ابواب کا بظاہر تسلسل نہیں جو اس کے نقص کی دلیل ہے۔ اس کے بعد پہلی جلد ہی میں کتاب الحیض، کتاب الصلاۃ، یہ کتاب تیسری جلد تک مسلسل ہے اور اس کے تحت تمام متعلقہ ابواب ہیں۔ اس کے بعد تیسری جلد ہی میں کتاب الجمعہ، کتاب صلاۃ العیدین، کتاب فضائل القرآن، کتاب الجنائز۔ اس طرح چوتھی میں کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصیام وغیرہ آخر کتاب تک۔ علامہ الکتانی نے بھی لکھا ہے: رتبہ علی الکتب والأبواب ''امام عبدالرزاق نے اسے کتب اور ابواب پر مرتب کیا ہے۔''

[الرسالۃ المستطرفۃ: ص۳۶]

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ الجزء المفقود کے نام سے اس نسخہ کا آغاز کتاب الایمان سے نہیں۔ ڈاکٹر حمیری نے وضاحت کر دی ہے کہ موقع کی مناسبت سے ہم نے یہ اضافہ کیا ہے۔ (الجزء المفقود: ص۵۱) کتاب الطہارۃ بھی نہیں، یہ عنوان بھی ڈاکٹر حمیری نے دیا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح اعظمی صاحب نے (کتاب الطہارۃ) کو قوسین میں ذکر کیا۔ یہ کیسا کامل نسخہ ہے کہ کتاب کے پورے اسلوب کے برعکس اس میں ''کتاب'' کا نام ہی نہیں۔ کیا ڈاکٹر حمیری اور ان کے ہم نوا بتا سکتے ہیں کہ ان کے کامل نسخہ میں ''کتاب'' نام کا کوئی عنوان ہی نہیں۔ دیدہ باید!

⑤ حافظ ابن حجر نے اپنی المصنف کی سند متعدد طریق سے ذکر کی ہے۔ ملاحظہ ہو تغلیق التعلیق (ج۵ ص۴۵۵)، امام ابوبکر محمد بن خیر الاشبیلی المتوفی ۵۷۵ھ نے ''فہرست

ابن خیر'' ص ۱۰۷ رقم ۱۷۴ میں المصنف کی اسانید ذکر کی ہیں ۔ اسی طرح دیگر حضرات جنھوں نے المصنف کی اسانید ذکر کی ہیں ۔ وہ اپنی روایت میں کسی نوعیت کے نقص کا ذکر نہیں کرتے ۔ یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ نقص کا یہ گھپلا کب اور کیسے واقع ہوا؟

۶ جناب ڈاکٹر حمیری نے مطبوعہ اور مخطوط کے مابین ایک تقابلی جائزہ پیش کیا ہے مگر افسوس کہ مخطوط میں جگہ بہ جگہ جو تساہل بلکہ تغافل پایا جاتا ہے، اس کی طرف کوئی اشارہ انھوں نے نہیں کیا۔ اسی تغافل سے اس مخطوط کی حیثیت متعین کی جاسکتی ہے۔

یحییٰ بن ابی زائدہ کون ہیں؟

چنانچہ اسی الجزء المفقود میں جو چالیس روایات پائی جاتی ہیں، ان میں پانچ روایات یحییٰ بن ابی زائدۃ سے منقول ہیں اور ان تمام روایات میں اسناد کے اعتبار سے عجیب گھپلا پایا جاتا ہے۔ چنانچہ یحییٰ کی ایک روایت جو ایک الجزء المفقود کے ص ۶۱ رقم ۱۵ پر ہے۔ اس کی سند یوں ہے: ''عبد الرزاق عن معمر عن ابن أبی زائدة عن ابن عون'' ''معمر سے مراد امام معمر بن راشد ہیں اور ڈاکٹر صاحب نے اس کے بارے میں یہ وضاحت کردی ہے کہ معمر لا یروي عن ابن أبی زائدۃ'' کہ معمر، ابن ابی زائدہ سے روایت نہیں کرتے''، گویا یہ روایت منقطع ہے ۔ لیکن معاملہ اس پر ختم نہیں ہوتا ، کیونکہ یحییٰ بن ابی زائدۃ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۳، ۱۸۴ھ میں ان کا انتقال ہوا، جیسا کہ التہذیب للمزی ج ۲ ص ۱۸ وغیرہ میں ہے اور ڈاکٹر حمیری نے بھی الجزء المفقود ص ۶۰ میں لکھا ہے کہ یحییٰ بن ابی زائدہ دراصل یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ ہیں جو ۱۸۳ یا ۱۸۴ھ میں فوت ہوئے ۔ حافظ ابن حجر نے انھیں طبقہ تاسعہ میں شمار کیا ہے ۔ (التقریب: ص ۳۷۵) جبکہ امام معمر سابعہ طبقہ کے ہیں (التقریب: ص ۳۴۴) جو ۱۵۳ یا ۱۵۴ھ میں فوت ہوئے، انھوں نے ۵۸ سال عمر پائی، اس حساب سے ان کی پیدائش ۹۵، ۹۶ھ میں بنتی ہے ۔ گویا امام معمر کی وفات پر یحییٰ کی عمر ۲۹، ۳۰ سال تھی ۔ چاہئے تو یہ کہ یحییٰ بن ابی زائدہ امام معمر سے روایت

کرتے کہ وہ امام معمر سے بہرنوع بعد میں (پیدا) ہوئے ہیں لیکن یہاں گنگا الٹی بہتی ہے کہ امام معمر، یحییٰ سے روایت کرتے ہیں۔ ممکن ہے کوئی صاحب دل کی تسلی کے لئے اسے روایۃ الاکابر عن الاصاغر قرار دیں لیکن اس کے لئے دونوں کے مابین ثبوت سماع کی ضرورت ہے، اس لئے یہ بہانہ سازی بھی یہاں نہیں چل سکتی۔ غالبًا اسی لئے ڈاکٹر حمیری نے اعتراف کیا ہے کہ امام معمر کی یحییٰ سے روایت نہیں۔

یحییٰ بن ابی زائدہ کی دوسری روایت

یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کی ایک روایت کی سند یوں ہے:

"قال عبدالرزاق أخبرني يحيىٰ بن أبي زائدة عن سليمان بن يسار قال علمني أبو قلابة" [الجزء المفقود: ص ٦٠ رقم ١٣]

ابھی ہم ذکر کرآئے ہیں کہ یحییٰ بن زکریا ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۳ یا ۱۸۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ اور اس سند میں وہ سلیمان بن یسار سے روایت کرتے ہیں۔ جن کی وفات علیٰ حسب الاختلاف ۱۰۰ھ میں، ۱۰۳ھ، ۱۰۴ھ یا ۱۰۹ھ بتلائی گئی ہے اور اکثر محدثین نے فرمایا کہ وہ ۱۰۷ھ میں فوت ہوئے جبکہ ان کی عمر ۷۳ سال تھی۔ (التھذیب للمزی ترجمہ ۲۵۵۹ وغیرہ) حافظ ابن حجر نے انھیں کبار الثالثۃ یعنی ثالثہ طبقہ کے کبار محدثین میں شمار کیا ہے۔ (التقریب: ۱۳۶) اس اعتبار سے سوال یہ ہے کہ یحییٰ جو ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے، وہ ۱۰۷ھ میں تیرہ سال پہلے فوت ہو جانے والے سلیمان بن یسار سے کیونکر روایت کر سکتے ہیں؟ کہاں نویں طبقہ کا یحییٰ بن زکریا اور کہاں تیسرے طبقہ کے کبار محدثین میں شمار ہونے والے سلیمان سے اس کی روایت! افسوس ہے ڈاکٹر حمیری یہاں خاموش ہیں۔ آپ کہیں گے کہ یہاں انقطاع ہے۔ یہ بات بجا سہی، لیکن اس کا دوسرا پہلو بھی ہے جو یحییٰ بن زکریا کی روایات سے سامنے آ رہا ہے کہ اسے کس کس کا استاد اور کس کس کا شاگرد بنایا جا رہا ہے؟

یحییٰ بن ابی زائدہ کی تیسری روایت

یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کی تیسری روایت الجزء المفقود کے ص ۸۳ رقم ۲۲ پر ہے جس کی سند حسب ذیل ہے:

"عبدالرزاق عن مالك عن يحيىٰ بن أبي زائدة عن أبي سعيد الخدري"

انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ڈاکٹر حمیری اپنے علم و فضل کے باوصف اس سند کے بارے میں بالکل خاموش ہیں جبکہ امام مالک بھی طبقہ سابعہ کے ہیں جو ۱۷۹ھ میں فوت ہوئے جبکہ ان کی پیدائش ۹۳ھ میں ہوئی۔ ڈاکٹر حمیری جب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ معمر اور زائدہ کے مابین انقطاع ہے تو یہاں امام مالک اور یحییٰ کے مابین انقطاع کیوں نہیں؟ بالخصوص جبکہ یحییٰ بن زکریا تو امام مالک سے روایت کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو التہذیب للمزی (ج ۱۷/ص ۳۸۴ اور ج ۲۰/ص ۸۷) اور یہ قطعاً ثابت نہیں کہ امام مالک نے یحییٰ سے بھی روایت لی ہے۔ چلئے ہم اس پہلو سے اسے نظر انداز کرتے ہیں۔ مگر ثانیاً یہ بھی لطیفہ ہی ہے کہ یحییٰ بن ابی زائدہ جو تاسعہ طبقہ سے ہیں اور ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے ہیں وہ (سیدنا) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ صحابیِ رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ اس صریح دھاندلی کے باوجود افسوس کہ فاضل ڈاکٹر حمیری اس پر خاموش ہیں اور دوسری اسانید سے (سیدنا) ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت کا حوالہ ذکر کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ گویا یہ روایت اسی سند سے موجود ہے۔

إنا لله وإنا إليه راجعون

یحییٰ کی چوتھی حدیث

اسی طرح یحییٰ کی چوتھی حدیث الجزء المفقود کے ص ۹۱، رقم ۳۴ کے تحت جس کی سند یوں ہے:

"عبدالرزاق عن مالك عن يحيىٰ بن أبي زائدة عن علي رضي الله عنه"

یہاں بھی وہی معاملہ ہے جو حدیث نمبر تین میں ہے اور یحییٰ تاسعہ طبقہ کے ہوتے ہوئے (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ سبحان اللہ، اور جناب ڈاکٹر حمیری حسبِ سابق یہاں بھی خاموش ہیں اور اس کی تخریج میں ترمذی، احمد اور البزار وغیرہ کا حوالہ دیتے ہیں کہ ان کتابوں میں یہ أبو إسحق عن أبی حیة عن علی کی سند سے موجود ہے، مگر وہ بھول جاتے ہیں کہ اس سند سے تو یہ المصنف عبدالرزاق رقم ۱۲۰، ۱۲۱ میں بھی موجود ہے۔ کیا کتاب کے صحیح انتساب کے لئے تنہا متن کا مل جانا کافی ہے؟

یحییٰ کی پانچویں حدیث

یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کی پانچویں حدیث اسی صفحہ ۹۱ حدیث ۳۵ پر ہے۔ جس کے متعلق کہا گیا ہے:

"وبھٰذا الإسناد عن ابن عمر"

کہ اسی سند سے عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔

لیجئے جناب! یہاں یحییٰ (سیدنا) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ طبقہ تاسعہ میں شمار ہوتے ہیں۔ مگر اس کے بارے میں بھی ڈاکٹر حمیری خاموش ہیں۔ اندازہ کیجئے کہ الجزء المفقود کی چالیس روایات میں پانچ روایات یحییٰ بن ابی زائدہ سے مروی ہیں جو اس بات کا قرینہ ہے کہ یحییٰ کثیر الروایۃ ہیں۔ اور الجزء المفقود میں اس کی تین روایات امام مالک سے ہیں۔ مگر کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اس کے باوجود یحییٰ امام مالک کے شاگرد ہیں، کسی نے اُنھیں امام مالک کا استاد قرار نہیں دیا۔ اور نہ پوری المصنف عبدالرزاق میں اس کے علاوہ کہیں مالک عن یحییٰ بن ابی زائدۃ کی کوئی روایت پائی جاتی ہے۔ بلکہ مختلف ذرائع سے ہم نے اس کا تتبع کیا کہ المصنف کے مطبوعہ نسخہ میں ایک روایت بھی یحییٰ بن ابی زائدہ کی مروی نہیں، آخر یہ کیوں؟

ایک اور سند اور لطیفہ

الجزء المفقود ص ۵۵ حدیث ۲ کی سند ملاحظہ فرمائیں:

"عبدالرزاق عن ابن جریج قال أخبرنی البراء قال ما رأیت شیئاً قط أحسن من رسول اللہ ﷺ"

قارئین کرام یہ دیکھ کر حیران ہوں گے کہ اس الجزء کے فاضل محقق جناب ڈاکٹر حمیری فرماتے ہیں: "ابن جریج حافظ وکان یدلس فقدصرح ھنا بالإخبار"

[ابن جریج ثقہ حافظ اور مدلس تھے مگر یہاں انھوں نے 'اخبرنی' کہہ کر سماع کی تصریح کی ہے۔]

بے خبری اور اندھی عقیدت کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے، جس کی بنا پر وہ اس سند کو "أخبرني" دیکھ کر سماع پر محمول کرتے ہیں اور اتنی سی بات بھی دیکھنا گوارا نہیں کرتے کہ ابن جریج تو ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، جیسا کہ التھذیب ج ۶ ص ۴۰۵ اور السیر ج ۶ ص ۳۳۳، ۳۳۴ میں ہے بلکہ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ ان کی عمر ستر سال تھی، ان کا اور امام ابوحنیفہ کا سن مولد ۸۰ھ عمر ۷۰ سال اور وفات ۱۵۰ھ ایک ہی ہے۔ بتلایئے ۸۰ھ میں پیدا ہونے والے، (سیدنا) براء رضی اللہ عنہ جو ۷۲ھ میں فوت ہوئے (التقریب: ص ۴۳) سے سماع کا اظہار کیونکر کر سکتے ہیں اگر براء بن عازب رضی اللہ عنہ معروف صحابی نہیں، کوئی اور ہیں تو بتلایا جائے۔ براء نام کا اور کون سا صحابی ہے جس سے براہِ راست امام ابن جریج نے روایت لی ہے؟ بصورتِ دیگر تسلیم کیا جائے کہ یہ جسارت کرنے والا کوئی کذاب ہے جس نے یہ سلسلۂ سند جوڑا ہے۔

تیسری سند......ایک اور لطیفہ

الجزء المفقود کے ص ۸۴ حدیث ۲۴ کی سند ملاحظہ فرمائیں:

"عبدالرزاق عن ابن جریج عن الزھري أنه سمع عقبة بن عامر"

ڈاکٹر حمیری نے فرمایا ہے کہ کتبِ جرح وتعدیل میں زہری کا (سیدنا) عقبہ بن عامر سے سماع ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ زہری ۵۰ھ میں پیدا ہوئے جبکہ عقبہ (سیدنا) معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر میں ۶۰ھ میں فوت ہوئے۔ یوں ان کی وفات کے وقت زہری کی عمر دس سال تھی ۔لیکن احتمال ہے کہ انھوں نے (سیدنا) عقبہ سے سنا ہو، کیونکہ حدیث کے لئے سن تحمل پانچ سال ہے جیسا کہ امام ابن الصلاح نے اپنے المقدمۃ میں ذکر کیا ہے۔ یوں یہ روایت متصل ہے ورنہ منقطع۔ فاضل ڈاکٹر اس روایت کو متصل بنانے کے لئے بڑی دور کی کوڑی لائے۔

اولاً: تو عرض ہے کہ فاضل ڈاکٹر نے ۶۰ھ کو (سیدنا) عقبہ رضی اللہ عنہ کا سن وفات کس دلیل سے متعین کیا ہے؟ جبکہ حافظ ابن حجر نے الاصابہ: ج ۳ ص ۴۶۶، التہذیب ج ۷ ص ۲۴۳، میں اور علامہ ذہبی نے السیر ج ۲ ص ۴۶۸، ۴۶۹ وغیرہ میں بالصراحت ان کی وفات ۵۸ھ ذکر کی ہے۔ آخری عمر میں ان کا مدینہ طیبہ میں ہونا بھی ثابت نہیں۔ مصر میں فوت ہوئے، مقبرۃ المقطم میں دفن ہوئے۔ اس لئے سن تحمل کی بنا پر امکانِ سماع کا دعویٰ بہرحال مخدوش ہے بلکہ علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد (ج ۱ ص ۳۳۱) باب کیف الأذان میں صراحت کی ہے: ''والزهري لم يسمع من عقبة بن عامر'' کہ زہری نے (سیدنا) عقبہ رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا۔ یہ روایت جس کے بارے میں علامہ ہیثمی نے یہ حکم لگایا ہے، یہ طبرانی کبیر ج ۱۷ ص ۳۴۴ میں ہے اور معنعن ہے یعنی زهري عن عقبة مگر یہ شرف صرف الجزء المفقود کے ناسخ یا راوی کو حاصل ہوا کہ اس نے امام زہری کا (سیدنا) عقبہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت کردیا۔

متن میں نکارت

(سیدنا) عقبہ رضی اللہ عنہ کی اسی روایت کے الفاظ ہیں: ''من توضأ فأتم وضوءه ثم رفع رأسه إلى السماء .... إلخ'' فاضل ڈاکٹر حمیری نے اس کی تخریج میں صحیح مسلم

اورابن ابی شیبہ وغیرہ کا حوالہ دیا اور فرمایا: ''من طریق ابن عثمان بن نفير عن جبير أبي عثمان بن مالك الحضرمي ''لیکن یہ کمپوزنگ کی غلطی ہے، صحیح" من طريق أبي عثمان عن جبير بن نفير بن مالك" ہے۔اس سے قطع نظر سوال یہ ہے کہ کیا اس سند سے محولہ کتابوں میں ''ثم رفع رأسه إلى السماء'' کے الفاظ موجود ہیں؟ ڈاکٹر حمیری تک تو شاید ہماری یہ گزارشات نہ پہنچ پائیں مگر پاکستان میں ان کے ہم نوا اور اس نسخہ کی تحسین کرنے والے تو موجود ہیں، کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ محولہ کتب میں حاشیہ کی بیان کی ہوئی سند میں یہ اضافہ موجود ہے؟

﴿وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾

امر واقعہ یہ ہے کہ یہ اضافہ ابو عقيل عن ابن عمه عن عقبة کی سند سے ابو داود ج ۱ ص ۶۶ مع العون، ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴ مسند احمد ۴/ ۱۵۰، ۱۵۱ اور سنن دارمی ۱/ ۱۸۲ میں ہے اور اس میں ابن عم ابی عقیل مجہول ہے، جیسا کہ علامہ منذری نے مختصر ابی داود میں کہا ہے۔غور فرمایئے ڈاکٹر حمیری نے کس ہوشیاری سے اس متن کو صحیح بنانے کی کوشش کی ہے۔رہی الجزء المفقود کی سند تو اس کا قصہ آپ کے سامنے ہے۔

چوتھی سند اور ڈاکٹر حمیری کی دھاندلی

الجزء المفقود (ص ۸۸ رقم ۲۸) کی ایک سند دیکھئے:"عبدالرزاق قال أخبرني الزهري عن سفيان بن شبرمة عن سعيد بن جبير"

اوّلاً: سوال یہ ہے کہ سفیان بن شبرمہ کون ہے؟ ڈاکٹر حمیری کی دھاندلی دیکھئے کہ وہ یہاں تو اس کے تعارف سے خاموش ہیں مگر رجال کی فہرست ص ۱۰۴ میں اس کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔إنا لله وإنا إليه راجعون چلئے ہم عرض کرتے ہیں کہ یہ طباعتی غلطی ہوگی صحیح ''سفيان عن ابن شبرمة '' ہے کیونکہ المصنف (ج ۱ ص ۱۵) میں یہی اثر یحییٰ بن اليمان عن سفيان عن ابن شبرمة کی سند سے موجود ہے اور ابن شبرمہ، عبداللہ بن

شبرمہ ہیں اوران سے سفیان ثوری اورسفیان بن عیینہ دونوں سفیان روایت کرتے ہیں۔مگر سوال پھر یہ ہے کہ کیا امام زہری سفیان ثوری یا سفیان بن عیینہ سے روایت کرتے ہیں؟ تہذیب الکمال وغیرہ اُٹھا کر دیکھئے؛ امام زہری کے اساتذہ میں ان کا نام آتا ہے؟ بلکہ سفیان بن عیینہ تو امام زہری کے مشہور شاگرد ہیں اور بہ کثرت ان سے رُوایات بیان کرتے ہیں، مگر یہاں انھیں امام زہری کا ماشاء اللہ اُستاد بنا دیا گیا۔

اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ کہا گیا ''عبدالرزاق قال أخبرني الزهري '' حالانکہ امام عبدالرزاق ۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے جیسا کہ خود محترم حمیری صاحب نے ص ۲۳ پر نقل کیا ہے، جبکہ امام زہری ۱۲۳ یا ۱۲۴ھ میں فوت ہوئے (تہذیب الکمال: ج ۱۷/ص ۲۳۲) وغیرہ۔لہٰذا جب امام عبدالرزاق امام زہری کی وفات سے علیٰ حسب الاختلاف ایک یا دو یا تین سال بعد پیدا ہوتے ہیں تو ان سے أخبرني الزهري بیان کرنے والا کون کذاب ہے؟ بینوا توجروا!!

مزید برآں ڈاکٹر صاحب نے متن میں فإذا نبتت له یغسلها نقل کیا ہے جس کے کوئی معنی نہیں بنتے۔صحیح ''لم یغسلها'' ہے، جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ممکن ہے کہ لہٗ کمپوزنگ کی غلطی ہو۔ والله سبحانه وتعالیٰ أعلم!

پانچویں سند کا لطیفہ

الجزء المفقود ص ۸۹، حدیث ۳۰ میں ایک سند یوں ہے:''عبدالرزاق عن معمر عن الزهري عن ابن عيينة عن يزيد الرقاشي''

ابھی ہم عرض کر آئے ہیں کہ امام زہری، امام ابن عیینہ کے اُستاد ہیں، شاگرد نہیں۔علاوہ ازیں ابن عیینہ کا سماع یزید بن ابان رقاشی سے نہیں۔ابن عیینہ ۱۰۷ھ میں پیدا ہوئے جبکہ یزید رقاشی کے بارے میں ہے کہ وہ ۱۱۰ سے ۱۲۰ھ کے مابین فوت ہوئے۔ (التاریخ الصغیر للبخاری: ج ۲/ص ۳۴۳)۔کوئی حتمی تاریخ وفات کا ذکر نہیں ملا۔اب محض اس

الجزء المفقود کی بنیاد پر ابن عیینہ کو یزید رقاشی کا شاگرد کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے؟ بالخصوص جبکہ خود ابن عیینہ فرماتے ہیں: "أول من جالست عبدالکریم أبو أمیة وأنا ابن خمس عشرة سنة قال وقرأت القرآن وأنا ابن أربع عشر سنة"

[السیر: ج ۸ ص ۴۶۴]

سب سے پہلے جس کے سامنے میں نے زانوئے تلمذ طے کئے ہیں وہ عبدالکریم بن ابی المخارق ابواُمیہ ہیں، تب میری عمر ۱۵ سال تھی اور میں نے قرآن مجید ۱۴ سال کی عمر میں پڑھا۔"

جب صورتِ واقعہ یہ ہے کہ امام ابن عیینہ کا سن تحمل ۱۵۱ھ ہے تو اس حساب سے ۱۱۰ھ سے ۱۲۰ھ کے مابین فوت ہو جانے والے یزید رقاشی بصری سے ان کا سماع کیونکر متعین ہو سکتا ہے؟ اس لئے یہ سند بھی خانہ ساز ہے اور علم الروایہ کے بالکل منافی ہے۔

چھٹی سند

الجزء المفقود ص ۹۴ کی حدیث ۴۰ کی سند ملاحظہ فرمائیں:

عبدالرزاق عن الزهري عن جندب عن الأسود بن يزيد أن ابن عمر توضأ ... إلخ

ابھی ہم "چوتھی سند" کے تحت ذکر کر آئے ہیں کہ امام زہری سے امام عبدالرزاق کی ملاقات ہی ثابت نہیں۔ امام عبدالرزاق، امام زہری کی وفات کے بعد پیدا ہوئے لہٰذا حسبِ سابق یہ سند بھی بناوٹی ہے۔ انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر حمیری اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: هذا الإسناد فيه انقطاع بين عبدالرزاق والزهري "کہ اس سند میں زہری اور عبدالرزاق کے مابین انقطاع ہے مگر اس سے قبل ص ۸۸ حدیث ۲۸ میں جہاں عبدالرزاق أخبرني الزهري کہہ کر دونوں کے مابین سماع کی صراحت کی گئی ہے، اس کے بارے میں ڈاکٹر صاحب بالکل خاموش ہیں۔ ہمارا سوال یہی

ہے کہ جس سے سماع نہ ہو اس کے باوجود راوی اس سے سماع کا اظہار کرے تو اسے کیا کہا جائے گا؟ امام عبدالرزاق کے بارے میں غلط بیانی اور کذب کا الزام بہرنوع غلط ہے۔ اب اس کی جسارت کسی غلط کار اور کذاب نے نہیں کی تو اور کس نے کی ہے؟ اس کے علاوہ یہ بھی بتایا جائے کہ امام زہری جو جندب سے روایت کرتے اور الاسود بن یزید کے شاگرد ہیں، وہ کون ہیں؟ نیز یہ بھی کہ سند میں "أن ابن عمر" بھی بہرحال غلط ہے۔ صحیح "أن عمر" ہے، جیسا کہ الاسود بن یزید ہی سے یہ اثر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۱/ص ۱۸) میں ہے۔

ساتویں حدیث

الجزء المفقود ص ۸۰، ۸۱ میں ایک روایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بایں سند نقل کی گئی ہے:

"عبدالرزاق عن معمر عن الزهري عن أبی سعید عن أبیه عن جده أبی سعید قال رسول الله ﷺ: "لا وضوء لمن لم یذکر اسم الله علیه"

[رقم:۲۰]

یہ روایت بظاہر سند کے اعتبار سے حسن ہے مگر درحقیقت بات یہ ہے کہ امام زہری کے استاد ابوسعید ربیح بن عبدالرحمٰن بن ابی سعید سے یہ روایت کثیر بن زید بیان کرنے میں منفرد ہیں۔ چنانچہ کثیر بن زید کی سند سے یہی روایت مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۱/ص ۲، العلل الکبیر از ترمذی: ج ۱/ص ۱۱۲، ۱۱۳، مسند احمد: ج ۳/ص ۴۱، سنن دارمی: ج ۱/ص ۱۷۱، ابن ماجہ رقم ۳۹۷، مسند ابی یعلیٰ: رقم ۱۰۶۰، سنن دارقطنی: ج ۱/ص ۲۰۷، سنن بیہقی: ج ۱/ص ۴۳، مستدرک حاکم: ج ۱/ص ۱۴۷ اور مسند عبدحمید: رقم ۹۱۰ وغیرہ کتب میں اسی سند سے مروی ہے اور امام حاکم اور امام بیہقی نے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ "أحسن ما یروی فی هذا الحدیث کثیر بن زید" "اس (باب) میں سب سے بہتر وہ ہے جو کثیر بن زید بیان کرتے ہیں۔"

یہی بات امام ابن عدی نے الکامل ج ۳ ص ۱۰۳۴ میں ربیح کے ترجمہ میں نقل کی ہے۔ بلکہ مزید یہ بھی فرمایا ہے کہ "لا أعلم يروي هذا الحديث عن ربيح غير كثير" کہ "میں نہیں جانتا کہ یہ حدیث ربیح سے کثیر کے علاوہ کوئی اور بھی روایت کرتا ہے۔" امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں: "هو أصح ما فی الباب" کہ "یہ حدیث اس باب میں سب سے زیادہ صحیح ہے۔" (التلخیص: ج ۱ ص ۷۴) امام بزار فرماتے ہیں: "لا نعلمه يروي عن أبي سعيد إلا بالإسناد المذكور" "ہم نہیں جانتے کہ سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ سے اس سند کے علاوہ بھی کسی نے روایت کیا ہے۔" (البدر المنیر: ج ۲ ص ۷۸) ہم اس حدیث کی صحت وضعف کے بارے میں بحث نہیں کرنا چاہتے بلکہ صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ امام احمد اور امام اسحاق کا فرمانا کہ اس باب میں سب سے بہتر روایت کثیر بن زید کی ہے۔ امام بزار اور امام ابن عدی کا فرمانا کہ کثیر کے علاوہ کسی اور نے یہ روایت بیان نہیں کی۔ امام اسحاق براہ راست امام عبدالرزاق کے شاگرد ہیں۔ امام حاکم اور امام بیہقی نیز علامہ ابن ملقن اور حافظ ابن حجر وغیرہ اسحاق بن ابراہیم الدبری جو المصنف عبدالرزاق کے راوی ہیں، کے واسطہ سے المصنف کی جابجا روایات ذکر کرتے ہیں۔ اگر یہ روایت ان کی المصنف میں زہری عن ربیح کی سند سے ہوتی تو کیا یہ حضرات کثیر کا تفرد اور اس کی سند سے اسے سب سے بہتر قرار دیتے؟...... ہرگز نہیں!

ان محدثین کے تبصرہ کے بعد اس روایت کی یہ سند بھی خانہ ساز اور وضعی معلوم ہوتی ہے۔

آٹھویں حدیث اور ڈاکٹر حمیری

الجزء المفقود ص ۸۲ میں حدیث ۲۱ کی سند یوں ہے:

"عبدالرزاق عن ابن جريج أخبره رجل عن أبي هريرة"

یہ روایت بھی تسمیۃ فی الوضوء کے بارے میں جو مسند امام احمد، سنن ابی داود اور

سنن ابن ماجہ وغیرہ کتب میں یعقوب بن سلمة عن أبيه عن أبي هريرة کی سند سے معروف ہے۔ امام حاکم نے یعقوب بن سلمہ کو یعقوب بن ابی سلمۃ الماجشون قرار دیا ہے، مگر علامہ ابن صلاح، علامہ نووی، علامہ ابن دقیق العید، علامہ ذہبی، علامہ ابن ملقن اور علامہ زیلعی وغیرہ نے خبردار کیا کہ یہ امام حاکم کا وہم ہے، صحیح یعقوب بن سلمہ ہے۔

یہاں ڈاکٹر حمیری کی لیاقت دیکھئے فرماتے ہیں: اس سند میں ابن جریج کا استاد رجل مبہم ہے اور وہ ہے یعقوب بن سلمہ اللیثی، ان کے الفاظ ہیں:"إن الرجل هو يعقوب بن سلمة الليثي" مگر یہ بات ان کے حاشیۂ خیال میں نہ آئی کہ جن مراجع کی بنیاد سے المصنف میں رجل کو یعقوب بن سلمہ قرار دیا ہے، وہ تو انھی مراجع میں اپنے باپ سلمہ سے روایت کرتے ہیں جبکہ رجل براہِ راست (سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے، اس لئے یہ یعقوب کیونکر ہو سکتا ہے؟

حدیثِ نور

اب آیئے! اس روایت کو بھی ایک نظر دیکھ لیجئے جس کے لئے یہ "الجزء المفقود" طبع کیا گیا۔ جس کی تخریج میں کہا گیا کہ شیخ ابن عربی نے تلقيح الفهوم میں انھی الفاظ سے ذکر کیا ہے، الخرکوشی نے "شرف المصطفیٰ" میں (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ سے اس معنی میں روایت بیان کی ہے، العجلونی نے کشف الخفاء میں عبدالرزاق سے یہ روایت نقل کی ہے۔ اور قسطلانی نے اسے المواهب اللدنيه میں ذکر کیا ہے، اور عبدالملک الطبنی نے اپنے فوائد میں اسے (سیدنا) عمر سے نقل کیا ہے۔

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ کیا شیخ ابن عربی نے اسے المصنف عبدالرزاق کی سند سے نقل کیا؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور (سیدنا) عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کی سند سے کیا ہے؟ اور وہ بھی المصنف کی روایت کے ہم معنی ہیں۔ عبدالرزاق کے حوالے سے کشف الخفا کا حوالہ بھی ثانوی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ علامہ العجلونی نے جو کچھ نقل کیا، المواهب اللدنية سے نقل کیا ہے۔

گویا المصنف کے حوالہ سے جابر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت سب سے پہلے علامہ قسطلانی نے ذکر کی ہے وہ بھی بلا سند، اور اب المصنف عبدالرزاق میں مل گئی جس کی بظاہر سند بھی درست ہے، مگر مقامِ غور ہے کہ علامہ قسطلانی نے جو الفاظ المصنف سے نقل کئے ہیں کیا انھی الفاظ سے یہ الجزء المفقود میں ہے؟ قطعاً نہیں۔ نسخوں کے اختلاف میں الفاظ کے مختلف ہونے کی بات اپنی جگہ مگر یہاں تو سرے سے اصل موضوع ہی بدلا ہوا ہے۔ اور وہ یوں کہ المواھب میں ہے کہ **نور نبيك من نوره** جبکہ الجزء المفقود میں ہے: "نور نبيك يا جابر خلقه الله" اس کے بعد الجزء میں ہے: "ثم خلق فيه كل خير وخلق بعده كل شئ وحين خلقه أقامه قدام من مقام القرب اثنى عشر ألف سنة"

"پھر اس نور میں ہر قسم کی خیر پیدا کی اور اس کے بعد ہر چیز کو پیدا کیا، اور جب سے اسے پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے سامنے مقامِ قرب میں بارہ ہزار سال رکھا۔"

جبکہ المواھب میں ہے:

"فجعل ذلك النور يدور بالقدرة حيث شاء ولم يكن في ذلك الوقت لوح ولا قلم ولا جنة ولا نار ولا ملك ولا سماء ولا أرض ولا شمس ولا قمر ولا جني ولا إنسي"

غور فرمایئے، آخری حصہ تو "الحديث يفسر بعضه بعضاً" کا مصداق ہے جبکہ پہلے حصے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ نور قدرت سے جہاں چاہا چکر لگاتا رہا۔ اندازہ کیجئے دونوں میں کتنا فرق ہے۔ الجزء میں رب ذوالجلال کے سامنے مقامِ قرب میں ٹھہرنے کا ذکر ہے جبکہ المواھب میں اپنی مرضی سے چکر لگانے کا ہے۔ الجزء میں مقامِ قرب میں یہ حضوری بارہ ہزار سال بتلائی گئی ہے جبکہ المواھب میں سرے سے اس کا ذکر ہی نہیں۔ پھر الجزء میں ہے کہ اس نور کے چار حصے کئے، ایک قسم سے عرش اور کرسی، ایک قسم سے حاملین عرش اور خزنۃ کرسی، اور چوتھی قسم مقامِ محبت میں بارہ ہزار سال کھڑی رہی۔ چنانچہ اس کے الفاظ ہیں:

"ثم جعله أربعة أقسام فخلق العرش والكرسی من قسم وحملة العرش وخزنة الكرسی من قسم وأقام القسم الرابع فی مقام الحب اثنی عشر ألف ثم جعله أربعة اقسام"

اوّلاً: تو یہاں اس نور کے تیسرے حصے سے جو کچھ بنا، اس کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں۔ شاید یہ حصہ جناب دکتور حمیری صاحب کے نورِ نظر سے اوجھل ہو گیا ہے۔

ثانیاً: المواہب میں اس کے برعکس اس نور سے جن تین چیزوں کے وجود میں آنے کا ذکر ہے، وہ یہ ہیں: پہلے حصہ سے القلم، دوسرے حصہ سے اللوح، تیسرے حصے سے العرش، چنانچہ المواہب کے الفاظ ہیں:

" فخلق من الجزء الأول القلم ، ومن الثانی اللوح ، ومن الثالث العرش ، ثم قسم الجزء الرابع أربعة أجزاء"

الفاظ کے تغیر سے قطع نظر یہاں نور کے چوتھے حصہ کا بارہ ہزار سال تک مقامِ محبت میں کھڑے رہنے کا بھی ذکر نہیں۔ اور نور کے اجزا سے تخلیقِ کائنات میں فرق بھی نمایاں طور پر ظاہر ہو رہا ہے۔

اس کے بعد الجزء المفقود میں ہے کہ اس چوتھے حصۂ نور کو چار پر تقسیم کیا گیا تو ایک حصہ سے القلم، ایک حصہ سے لوح، ایک حصہ سے جنت اور چوتھا بارہ ہزار سال تک مقامِ خوف میں رہا۔ چنانچہ اس کے الفاظ ہیں:

"فخلق القلم من قسم واللوح من قسم والجنة من قسم ثم أقام القسم الرابع فی مقام الخوف اثنی عشر ألف سنة"

جبکہ اس کے بالکل برعکس المواہب میں المصنف کے حوالے سے ہے:

"فخلق من الجزء الأول حملة العرش ومن الثانی الكرسی ومن الثالث باقی الملائكة ثم قسم الجزء الرابع أربعة أجزاء"

اس دوسری قسم میں نور کے ایک حصہ سے حاملین عرش، دوسرے سے کرسی، تیسرے سے باقی تمام ملائکہ؛ انصاف فرمایئے، دونوں میں کوئی توافق ہے؟ جن چیزوں کی تخلیق کا ذکر الجزء المفقود میں ہے، ان کا تذکرہ المواہب کی نقل کردہ روایت میں سرے سے موجود ہی نہیں۔ اور نہ ہی اس میں چوتھے حصۂ نور کا بارہ ہزار سال تک مقامِ خوف میں رہنے کا ذکر ہے۔

آگے دیکھئے الجزء المفقود میں اس کے بعد ذکر ہے کہ اس چوتھے حصہ کو پھر چار پر تقسیم کیا گیا، جس کے ایک حصہ سے فرشتے، ایک حصہ سے سورج، ایک حصہ سے چاند اور تارے اور چوتھا حصہ مقام رجاء میں بارہ ہزار سال تک ٹھہرا رہا۔ چنانچہ اس کے الفاظ ہیں:

"جعله أربعة أجزاء فخلق الملائكة من جزء والشمس من جزء والقمر والكواكب من جزء وأقام الجزء الرابع فى مقام الرجاء اثنى عشر ألف سنة"

جبکہ المواہب میں اس کے برعکس ہے:

"فخلق من الأول السموات ومن الثانى الأرضين ومن الثالث الجنة والنار ثم قسم الرابع أربعة أجزاء"

''پھر اس نور کے ایک حصہ سے آسمان، دوسرے حصہ سے زمینیں، تیسرے سے جنت اور جہنم پیدا کئے گئے، پھر چوتھے حصہ کو چار پر تقسیم کیا گیا۔''

ایمانداری سے بتلایا جائے؛ دونوں میں کوئی موافقت ہے؟ جن اشیاء کا تیسری تقسیم میں الجزء المفقود میں ذکر ہے، کیا ان میں کوئی چیز المواہب کی بیان کردہ روایت میں پائی جاتی ہے؟ اور الجزء المفقود میں بارہ ہزار سال تک مقام رجاء میں ٹھہرے رہنے کا ذکر اس پر مستزاد ہے۔ اس کے بعد الجزء المفقود میں ہے: وہ چوتھا حصہ پھر چار اجزا میں تقسیم کیا گیا، ایک جز سے عقل کو، ایک جز سے علم و حکمت اور عصمت و توفیق کو پیدا کیا اور چوتھا حصہ بارہ

ہزار سال تک مقام حیا میں کھڑا رہا۔ چنانچہ اس کے الفاظ ہیں:

"ثم جعله أربعة أجزاء فخلق العقل من جزء والعلم والحكمة والعصمة والتوفيق من جزء وأقام الجزء الرابع فى مقام الحياء اثنى عشر ألف سنة"

اوّلاً تو یہاں تیسرے حصہ نور سے تخلیق کا ذکر ہی نہیں۔ شاید یہاں بھی ڈاکٹر حمیری کی نظر سے چوک ہوئی ہو، مگر کیا کیا جائے المواہب میں المصنف کے حوالے سے اس کے بالکل برعکس ہے کہ

"فخلق من الأول نور أبصار المؤ منين ، ومن الثانى نور قلوبهم وهى المعرفة بالله ، من الثالث نور إنسهم وهو التوحيد لا إله إلا الله محمد رسول الله" الحديث.

''اس کے ایک حصہ سے مومنوں کی آنکھوں کا نور، دوسرے سے ان کے دلوں کا نور یعنی اللہ کی معرفت اور تیسرے سے ان کے اُنس کا نور پیدا کیا یعنی توحید لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔''

دونوں روایتوں میں فرق ہر اس شخص کو نظر آتا ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے نورِ ایمان سے نوازا ہے۔ اس کے باوجود الجزء المفقود کو المصنف عبدالرزاق باور کرانا اور اس کی سند دیکھ کر خوشی کے ڈونگرے برسانا کہ المواہب میں عبدالرزاق کی بیان کردہ سند مل گئی، ہمارے نزدیک نہایت طفلانہ شوخی ہے۔ علم الروایہ سے معمولی شد بد رکھنے والا بھی اس فرق کو سمجھ سکتا ہے مگر افسوس! ڈاکٹر حمیری اور ان کے ہم نوا ڈھنڈورچی اسے محض نسخوں کا فرق قرار دینے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔ علامہ قسطلانی نے اس کے بعد کا حصہ نقل نہیں کیا، جس سے پتا چلتا کہ دونوں کے الفاظ کیا ہیں؟ المواہب کے شارح علامہ زرقانی کو المصنف کا نسخہ نہیں ملا۔ اس لئے اُنھوں نے "فليرا جع من مصنف عبدالرزاق مع تمام الحديث"

کہہ کر خاموشی اختیار کی۔

الجزء المفقود کی پہلی حدیث اور حدیثِ نور

اول تخلیق کے حوالے سے (سیدنا) جابر رضی اللہ عنہ کی روایت تو معروف ہے۔ اس کے بارے میں معنوی اعتراضات اور ان کے جوابات معلوم شد، ہم یہاں اس تفصیل میں جانا نہیں چاہتے، نہ ہی یہ ہمارا موضوع ہے۔ لیکن اسی حوالے سے الجزء المفقود کی پہلی روایت کی سند اور ابتدائی الفاظ ملاحظہ ہوں:

"عبدالرزاق عن معمر عن الزهري عن السائب بن يزيد قال إن الله تعالى خلق شجرة ولها أربعة أغصان فسماها شجرة اليقين ، ثم خلق نور محمد ﷺ فی حجاب من درة بيضاء مثله كمثل الطاؤس ووضعه على تلك الشجرة فسبح عليها مقدار سبعين ألف سنة"

سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ یہ روایت گو مرفوع نہیں لیکن حکماً مرفوع ہے، کیونکہ (سیدنا) سائب نے جو کچھ بیان فرمایا ہے، وہ عقل و فکر کا مسئلہ نہیں، نہ ہی وہ اہل کتاب سے لینے والے ہیں۔ اس کا تعلق بدء الخلق سے ہے، اس لئے یہ حکماً مرفوع ہے۔ (سیدنا) سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے ایک درخت پیدا کیا، جس کی چار شاخیں تھیں۔ اس کا نام شجرۃ الیقین رکھا پھر نورِ محمد کو پیدا کیا، ایک سفید موتی کے پردہ میں اس کی شکل و صورت طاؤس کی سی تھی اور اسے اس درخت پر رکھا تو اس نے ستر ہزار سال تک اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی۔''

یہ بعد کی کہانی ہمارا موضوع نہیں۔ ہم صرف اتنی بات عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اس روایت میں نورِ محمد ﷺ کی تخلیق شجرۃ الیقین کے بعد بیان ہوئی ہے۔ اس روایت میں تخلیق حقیقی اور اضافی کی تاویل کی بھی گنجائش نہیں، کیونکہ اس کا بیان یہاں ''ثم'' سے ہوا جو تراخی چاہتا ہے اور بیان ہے کہ طاؤس کی صورت میں یہ نورِ محمد ﷺ اس درخت پر بٹھایا گیا

جس سے تخلیقاً آپ ﷺ کے نور کی اوّلیت ثانوی حیثیت میں رہ جاتی ہے۔ ڈاکٹر حمیری نے (سیدنا) جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے تحت پیدا ہونے والے اشکالات کا جواب دینے کی کوشش کی مگر (سیدنا) سائب رضی اللہ عنہ کی روایت سے جو اشکال وارد ہوتا ہے اور تخلیق کی جو کہانی اس میں بیان ہوئی ہے، وہ (سیدنا) جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے بالکل برعکس ہے۔ افسوس ہے کہ چارہ گروں نے اس طرف مطلق توجہ نہیں دی یہ پہلی روایت جو تقریباً تین صفحات پر مشتمل ہے، اس کا پورا مضمون اس کے وضعی اور من گھڑت ہونے کی دلیل ہے۔ آپ اندازہ لگائیں کہ اس روایت میں فرمایا گیا کہ آپ ﷺ کے نور کو جو طاؤس کی شکل دی گئی، اس کے سر کے پسینہ سے فرشتے پیدا ہوئے۔ چہرے کے پسینہ سے عرش، کرسی، لوح و قلم، شمس و قمر، ستارے اور دیگر آسمانی اشیا بنیں، اس کے سینہ کے پسینہ سے انبیاء و رسل، علماء و صلحاء و شہداء پیدا ہوئے۔ پھر باقی اعضا کے پسینہ سے دیگر مخلوقات بننے کا ذکر ہے۔ اس کے بعد پھر کہا گیا:

"ثم سبح سبعين ألف سنة ثم خلق نور الأنبياء من نور محمد ﷺ"

"پھر طاؤس نے ستر ہزار سال تک اللہ کی تسبیح بیان کی، پھر انبیاء علیہم السلام کا نور آپ ﷺ کے نور سے پیدا کیا۔"

قابلِ غور بات یہ ہے کہ عرقِ صدر سے انبیاء علیہم السلام کی تخلیق تو پہلے ہو چکی اس کے بعد آپ ﷺ کے نور سے انبیاء کے نور کا پیدا ہونا چہ معنی دارد؟ پھر اس میں تمام آسمانی اشیاء کو چہرے کے پسینہ سے پیدا ہونا بتلایا گیا، جبکہ (سیدنا) جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں معاملہ اس کے برعکس ہے جیسا کہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اس لئے یہ پہلی روایت ہی اپنی سند صحیح ہونے کے باوجود (سیدنا) جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مخالف اور اس کا متن اس کے وضعی ہونے کی دلیل ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایات کسی کذاب یا وضاع کی گھڑی ہوئی ہیں۔

امام عبدالرزاق کی ہمشیرہ کا بیٹا (بھانجا) احمد بن عبداللہ جسے احمد بن داود بھی کہا گیا ہے، وہ کذاب تھا اور حدیثیں بنا بنا کر امام عبدالرزاق کی احادیث میں داخل کر دیتا تھا۔ (میزان واللسان: ج ۱ رص ۱۷۰، ۱۹۷) کیا بعید ہے کہ یہ کارستانی کہیں اسی کی نہ ہو۔ ورنہ المصنف کا راوی تو اسحاق بن ابراہیم الدبری ہے اور جن حضرات نے اس کی سند سے المصنف کا سماع کیا ہے وہ نہ تو المصنف کے ناقص ہونے کا ذکر کرتے ہیں اور نہ کہیں ان روایات کا اشارہ کرتے ہیں جیسا کہ پہلے ہم ذکر کر آئے ہیں۔ ہماری ان گزارشات سے یہ بات نصف النہار کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ الجزء المفقود المصنف کا قطعاً حصہ نہیں۔ تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ

١. ڈاکٹر عیسیٰ حمیری خود اس کے انتساب میں پوری طرح مطمئن معلوم نہیں ہوتے۔
٢. اس کا ناسخ مجہول ہے، نہ اس پر محدثین کی سماعات ہیں اور نہ ہی کسی سے اس کی توثیق منقول ہے۔
٣. المصنف کتاب اور ابواب کے تحت مرتب کی گئی ہے جبکہ الجزء المفقود میں کتاب کا عنوان نہیں.... آخر کیوں؟
٤. نویں صدی تک کے ائمہ محدثین المصنف کی سماعات کا ذکر کرتے ہیں نہ وہ نقص کا اشارہ کرتے ہیں اور نہ ہی انھوں نے ان اسانید سے روایات کا اشارہ کیا ہے۔
٥. یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کی اسانید سے پانچ روایات الجزء المفقود میں ہیں اور ان کی اسانید سے عیاں ہوتا ہے کہ یہاں سند سازی کی گئی ہے۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ یحییٰ کثیر الروایہ ہیں، الجزء المفقود کی چالیس روایات میں پانچ روایات اس سے مروی ہیں، مگر المصنف میں ان کے علاوہ اور کوئی روایت نہیں پائی جاتی، آخر کیوں؟
٦. ابن جریج أخبرني البراء' کی سند اس کے وضعی ہونے کی دلیل ہے۔
٧. الزهري سمع عقبة بن عامر کی سند بھی اس کے بناوٹی ہونے کا ثبوت ہے۔

۸ عبدالرزاق أخبرنی الزهري کی سند بھی کسی کذاب کی کارستانی ہے۔

۹ امام ابن عیینہ کو امام زہری کا استاد ظاہر کرنا اس کی ثقاہت کے منافی ہے۔

۱۰ تسمیہ وضو کی روایت کی سند تمام محدثین کی تصریحات کے خلاف اس کے بناوٹی ہونے کی دلیل ہے۔

۱۱ (سیدنا) جابر رضی اللہ عنہ کی حدیثِ نور کا متن، المواہب میں المصنف کے حوالہ سے نقل کئے گئے متن کے بالکل برعکس ہے۔ اگر یہی اس کی سند ہے تو اتنا گھپلا کیوں؟ دونوں میں صحیح متن کون سا ہے اور کس ترتیب سے ہے؟ الجزء المفقود کے بعد المواہب کے بیان و تفصیل کی پوزیشن کیا ہے؟

۱۲ الجزء المفقود کی پہلی روایت بھی (سیدنا) جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے منافی ہے۔ بلکہ وہاں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی پیدائش ثانوی درجہ میں رہ جاتی ہے اور اس کا پورا متن بھی (سیدنا) جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے خلاف ہے اور کسی قصہ گو کی کارستانی معلوم ہوتی ہے۔

اُمید ہے کہ ہماری ان گزارشات کو ٹھنڈے دل و دماغ سے پڑھ کر سنجیدگی سے فیصلہ کیا جائے گا کہ الجزء المفقود المصنف کا حصہ ہے یا نہیں؟ کسی کتاب کے جز کا کسی امام کی طرف انتساب کوئی اچنبھے کی بات نہیں، ایسی کارستانی ماضی میں بھی ہوتی رہی ہے جیسا کہ ہم آغاز میں بحوالہ ذکر کر آئے ہیں۔

❋❋❋

دفاع عن النبي صلى الله عليه وسلم وسنّته المطهرة
وكشف تواطؤ عيسى الحميري ومحمود سعيد ممدوح على وضع الحديث

(تفنيد القطعة المكذوبة التي أخرجاها ونسباها لمصنف عبد الرزاق)

بقلم
محمد زياد بن عمر التُّكْلة
عُفي عنه

الكتابة الثانية
مزيدة ومنقحة
13 محرم 1427

بسم الله الرحمن الرحيم

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، ومن سيئات أعمالنا، من يَهْدِهِ الله فلا مُضِلَّ له، ومن يُضلل فلا هادي له.

وأشهد أنْ لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أنَّ محمداً عبدُه ورسوله.

أما بعد:

فإن الله سبحانه وتعالى لما ختم الشرائع برسالة سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم، وأتم نعمته علينا، ورضي الإسلام للناس دينا: لم يترك دينه هملاً، بل حفظ هذا الدين من التحريف والتبديل، فحفظ كلامه المنزل: القرآن الكريم، فلا يُزاد حرفٌ فيه ولا ينقص.

وحفظ سنة نبيّه صلى الله عليه وسلم، فجعل الكذب عليه من أعظم الموبقات، ففي الحديث المتواتر: (من كذب عليّ متعمدا فليتبوأ مقعده من النار)، وفي الصحيحين عن المغيرة بن شعبة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: (إن كذبا عليّ ليس ككذب على أحد).

وسخّر الله للسنّة عبر الأزمان نخبة الأمة في الديانة والعلم والعقل، تنفي عنها كذب الكاذبين، بل وأوهام الصادقين، فلا يمكن أن يسري حديثٌ يُنسب إلى النبي صلى الله عليه وسلم ولا يثبت عنه إلا بيّنوه وحذروا منه، عبر قواعد متينة هي غاية ما بلغه العقل البشري من طرق التوثيق والتحقيق.

وما زال أهل الباطل على أنواعه يحاولون الدسّ في سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، لنصرة أهوائهم الباطلة، أو لدعوة الناس للزندقة، فما أسرع أن ينكشفوا ويفضحهم الله عز وجل، وينقلب إليهم بصرهم خاسئا وهو حسير.

وقال سفيان الثوري: لو همّ رجل أن يكذب في الحديث وهو في جوف بيت لأظهر الله عليه.

وروي معنى ذلك عن عبد الرحمن بن مهدي وابن معين وغيرهما.

وقال سفيان بن عيينة: ما ستر الله عز وجل أحداً يكذب في الحديث.

وثبت عن ابن المبارك رحمه الله أنه سئل: هذه الأحاديث الموضوعة؟ فقال: تعيش لها الجهابذة، ثم قرأ: (إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون).

* * *

واقتداء بمنهج أئمة الحديث في كشف الكذب على النبي صلى الله عليه وسلم، ودفاعاً عن السُّنّة، ونُصحاً لعموم الأمة؛ كانت كتابة هذه الكلمات، مستعيناً بالله سبحانه، سائلاً إياه الأجر والمثوبة.

* * *

فقد صدر مؤخراً كتابٌ كُتب عليه: "الجزء الأول من المصنف للحافظ الكبير أبي بكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني"، بتحقيق عيسى بن عبد الله بن محمد بن مانع الحميري، وتقديم محمود سعيد ممدوح، الطبعة الأولى 1425 هـ-2005م، دون ذكر للناشر، في مجليد في 105 صفحات، منها 44 صفحة لمتن الكتاب.

وبتأمل الكتاب يتبيّن جلياً أنه كتاب مكذوب مفترى؛ ألصق زوراً وبهتاناً بالحافظ عبد الرزاق رحمه الله، وإنما افتُعل ونُشر لما في متونه من آراء منحرفة وأباطيل مدسوسة، مثل إثبات أولية النور المحمدي، وجملة خرافات أخرى.

أما الأسانيد فقد رُكّبت كيفما اتفق لتبدو كأنها من رواية عبد الرزاق فعلا، ولكن الممارس لكتب الحديث يعلم بطلانها وتركيبها بمجرد النظر، كيف إذا قرن معها المتون المنكرة ذات المخالفات الشرعية والتراكيب الأعجمية؟ ودرس النسخة المزعومة للكتاب؟

وإزاء ذلك فقد وجب كشف هذا الكذب الصراح؛ الذي فيه تشويه صورة نبينا محمد صلى الله عليه وسلم، والدسّ في دينه ما ليس منه، والله المستعان.

مع العلم بأن **جميع من عرفتُه علم بالكتاب جزم بوضعه**، مثل الشيخ سعد الحميّد، والشيخ عبد القدوس محمد نذير، والشيخ خالد الدريس، والشيخ عمر الحفيان، والشيخ بندر الشويقي، والشيخ صالح العصيمي، والشيخ أحمد عاشور، والشيخ سعد السعدان، والشيخ عبد الوهاب الزيد، وغيرهم.

* * *

وقد كنتُ كتبتُ كتابة أولية عن هذا الكتاب المزعوم في ملتقى أهل الحديث على شبكة المعلومات الدولية (الإنترنت)، وكانت تلك الكتابة خلال يومين لغرض سرعة تحذير الناس من الكتاب أول نزوله الأسواق، اعتمدت فيها على القرائن المبينة لكذب الكتاب، وقسمتُ الكتابة إلى قسمين رئيسين: نقد المخطوط المزعوم وما يتعلق به، ونقد متون وأسانيد الجزء.

• ثم كانت هذه الكتابة الثانية بعد أن وصلتني معلومات مهمة عن ملابسات خروج الكتاب من أحد القريبين للقائمين عليه، وإفادات وملاحظات أخرى من غيره، فكانت كتابتي هذه مزيدة ومحررة، ناسخةِ للأولى، وسأبقى أزيد وأنقح فيها -إن شاء الله- ما زادت لديّ المعلومات والفوائد حول الموضوع، وأدعو الغيورين على السُّنّة للمشاركة والمساهمة في الكشف عن هذه الجريمة؛ لا حرمهم الله الأجر والمثوبة.

كما أنني أشكر جميع المشايخ الذين أفادوني ببعض الفوائد المتعلقة بالموضوع، سائلا الله أن يجزيهم الخير على نُصرتهم لسُنّة الحبيب صلوات ربي وسلامه عليه.

اللهم انصر دينك، وكتابك، وسنة نبيك، وعبادك الصالحين.

وكتبه محمد زياد التكلة

حامداً مصلياً مسلماً

الرياض، ليلة الأحد 13 المحرم 1427

الكلام على الأصل المخطوط

قصة هذا المخطوط:

إن مصنف عبد الرزاق بن همام الصنعاني -المتوفى سنة (211) رحمه الله تعالى- من أهم وأقدم وأكبر مصادر السنّة النبوية، ويحتوي على عدد كبير من الأحاديث المرفوعة للنبي صلى الله عليه وسلم، وعدد أكبر من الآثار عن الصحابة والتابعين.

وقد طُبع هذا المصنف كاملاً بتحقيق الشيخ حبيب الرحمن الأعظمي عن عدة نسخ خطية، وهي بمجموعها تكمّل الكتاب إلا قليلا من أوله ووسطه، فيبدأ الكتاب من باب غسل الذراعين من كتاب الطهارة، ويظهر أن السقط أول الكتاب لا يتعدى الورقة أو الورقتين، وفرح أهل العلم عامة، وأهل الحديث خاصة: بظهور هذا الكتاب العظيم للاستفادة منه.

أما غيرهم من أهل الأهواء فكان يهمهم من خروج الكتاب شيء آخر! ألا وهو البحث عن حديث مكذوب عُزي خطأ لمصنف عبد الرزاق، ألا وهو حديث: "أول ما خلق الله نور نبيك يا جابر" بطوله، فظنّوا -لجهلهم بالسُّنّة وكتبها- أنه يُمكن أن يكون الحديث في المصنّف فعلا! وبالطبع فلم يجدوه فيه!

ولما لاحظوا وجود السقط اليسير في أول المصنف المطبوع، تعلقوا بالأماني وأن يكون حديثهم في القدر الساقط من المصنف! وكأن حديثهم سيكون في أبواب الطهارة وإزالة الحدث! وبحثوا عنه في شتى خزائن المخطوطات العالمية دون جدوى.

• من هنا ارتأى بعض من هانت عليه نفسه من أهل الأهواء أن يستغل وجود النقص، ويكمله بما يناسب هواه! وكان من ذلك: الحديث المكذوب المذكور آنفا، فدسّه وغيره من الأباطيل في الكتاب على أن ذلك من القدر الساقط منه!

ولما فرغ من وضعه أعطاه لمن يروج عنده ذلك الكذب والهوى، ألا وهو عيسى مانع الحميري[1]، فما أسرع أن انطلى عليه وتبناه، وكان ذاك الحديث الموضوع هو السبب في إخراج الحميري للكتاب!

فقال أول مقدمته (ص5 و6): "فقد كثر الجدل حول صحة حديث جابر، ذلك الحديث الذي ضمنه كثير من أهل السير كتبهم وعزوه إلى مصنف عبد الرزاق مجرداً عن الإسناد، وقد اجتهد ساداتنا أهل العلم.. في البحث عن حديث جابر في مظانه المختلفة".

وذكر أنه كلّف أناساً بالبحث عن تتمة الكتاب في مكتبات تركيا، كما بحث الباحثون في اليمن؛ دون جدوى، ثم قال (ص6 و7): "وقد بات هذا الأمر شغلي الشاغل، أبحث عنه هنا وهناك، مع الدعاء المتواصل في الأيام المباركات، وفي مهابط الرحمات، مع عباد الله الصالحين، وبالأخص عند النبي الكريم، صلى الله عليه وآله وسلم في الروضة المباركة، والمواجهة الشريفة، حتى أتحفنا الله بالعثور على تلك النسخة اليتيمة، أو بالأحرى الجزء الأول والثاني من مصنف عبد الرزاق، على يد أحد الصالحين من بلاد الهند، وهو أخونا في

---

[1] هذا الرجل جهمي قبوري خرافي جلد، تولى إدارة الأوقاف في دُبَيّ مدة من الزمن، وسخّر جهودها وأموالها في عهده لمحاربة السنّة والعقيدة السلفية الصافية، وجمّع حوله عدداً من أهل الأهواء والبدع في سبيل هذا الغرض، تاركاً ما يراه من فساد أخلاقي متزايد في دبي! وأُلّفتْ باسمه مجموعة من الرسائل كلها في نصرة الهوى، مثل: "تصحيح المفاهيم العقدية في الصفات الإلهية، أو الفتح المبين في براءة الموحدين من عقائد المشبهين"، و"التأمل في حقيقة التوسل"، و"البدعة أصل من أصول التشريع"!! وغير ذلك، وفي كتبه هجوم مسف على أئمة السنّة وأعلامها قديماً وحديثاً، ثم أُخرج من الأوقاف، وبقي مدرّساً في كلية الإمام مالك، وما زال على محاربته للسنّة، بدليل آخر إنتاجه!

الله الفاضل الدكتور السيد محمد أمين بركاتي قادري حفظه الله".
ثم قال: "ومن توفيق الله عز وجل أننا عثرنا في هذه النسخة على حديث جابر مسنداً.. وتبين لنا بعد ذلك صحة الحديث الذي يرويه عبد الرزاق عن معمر عن ابن المنكدر عن جابر بن عبد الله الأنصاري قال: سألت رسول الله عن أول شيء خلقه الله تعالى، فقال: هو نور نبيك يا جابر.. الحديث.
فثبت لدينا بأن سيدنا ومولانا محمد صلى الله عليه وآله وسلم أول مخلوق في العالم (!) أي أول روح مخلوقة، وآدم أول شبحية مخلوقة، إذ أن آدم مظهر من مظاهره صلى الله عليه وآله وسلم، ولا بد للجوهر أن يتقدمه مظهر، فكان آدم متقدما بالظهور في عالم التصوير والتدبير، وسيدنا محمد صلى الله عليه وسلم مقدما في عالم الأمر والتقدير، لأنه حقيقة الحقائق، وسراج المشارق في كل المغارب! وما حديث جابر إلا تفسير لآية المشكاة..."! انتهى كلام الحميري.
فأقول: لما عُرف السبب بطل العجب! وهكذا مدخل الاتحاديين، فمحمد صلى الله عليه وسلم (عندهم) هو النور الأولي المخلوق، وهو نور كل شيء؛ ومن ذلك السماوات والأرض، وهو تفسير آية المشكاة (الله نور السماوات والأرض)!! تعالى الله عما يقول الظالمون علوا كبيراً.
وحاول الحميري أن يضفي الثقة على نسخته، مادحاً لها أنها أدق من المطبوع، وساق على ذلك بعض الأمثلة.
الحاصل أن المعلومات المذكورة في مقدمته والتي تهمنا عن المخطوط هي ما يلي:
1) أن المخطوط وُجد في الهند على يد أحد مشايخ القادرية (البريلوية) المعاصرين.
2) وأن الحميري تملك هذه النسخة، وأن محمود سعيد ممدوح رآها في خزانته.

3) وأنه كُتب عليها أنها نُسخت ببغداد سنة 938 على يد إسحاق بن عبدِ الرحمن السليماني.
4) وأن الناسخ متقن، بدليل زعم الحميري أن نسخته أدق من المطبوعة.
5) وأن الحميري قارن بين خطها وخطوط القرن العاشر ودقق وحقق فوجدها مطابقة لها.
6) وأنه لا سماعات ولا إسناد على النسخة.
7) وأن في المخطوط زيادة عشرة أبواب عن المطبوع في أوله، وهي: باب في تخليق نور محمد صلى الله عليه وسلم، وتسعة أبواب في الوضوء.

هذا ما أفاده الحميري عن نسخته، ولكن هناك أشياء كتمها عمداً، وكشفها الله على يد أحد عارفيه، كما سيأتي.

شهادة ذهبية من الشيخ الكَمَداني:

الشيخ أديب الكَمَداني أحد المشتغلين بعلم الحديث ومخطوطاته في دمشق، وله رسائل وتحقيقات حديثية، وهو أبرز أصحاب الشيخ فريد الباجي التونسي، انتقل منذ سنوات للعمل باحثاً شرعياً في أوقاف دبي، وإماماً وخطيباً في بعض مساجدها، فكانت له صلة عمل مباشرة مع الحميري قبل أن يُطرد الأخير من رئاسة أوقاف دبي.

وكان وصلني عنه طرفٌ من أخبار المخطوط عبر أحد أصحابه وأصحابنا من طلبة العلم البارزين في دمشق، ثم يسّر الله التحدث معه مطولاً عبر الهاتف من منزل صاحبنا المشار إليه، وكان في المجلس غيرهما من طلبة العلم، وذلك ليلة الجمعة 11 محرم 1427.

فحدثني الشيخ أديب عن المخطوط، وكان مما أخبرني (وروايتي بالمعنى): نظراً لشغف الحميري وولعه الشديد بحديث النور، وسؤاله عن مخطوطات مصنف عبد الرزاق؛ أحب بعض من لا خلاق له من بريلوية الهند أن يُتحفه به،

فـزوّر المخطـوط، وأرسـل لـه مجلـدين منـه، ولمـا وصـل المخطوط من الهند فرح الحميري به فرحاً شديداً، وأولم لأجله وليمة كبيرة!

وعرض الحميري المخطوط على الكمداني ومحمود سعيد ممدوح، فأصر الأول على أنه مفترى، وقال إنه موضوع حديثاً جداً بالنظر لورقه وخطه، فضلاً عن المتون التي فيه بتلك الأسانيد، وقال لي الشيخ أديب: إنني لا أعطي للمخطوط عمراً أكثر من سنتين أو نحو ذلك! وكان الحميري مصراً على استبعاد مسألة الوضع، أما ممدوح فكان يحاول إرضاء الاثنين والتوفيق بينهما!

وقال لي الشيخ أديب إنه طلب من الحميري أن يقوم بفحص المخطوط في مركز جمعة الماجد في دبي لتأكيد حكمه بالتزوير، ونظراً لحداثة كتابة المخطوط فقد طالب الحميري أيضاً أن يطلب ممن أحضر له المخطوط أن يذكر له الأصل المنسوخ منه، فلما سئل أجاب: إن مخطوطه نُسخ من مكتبة في الاتحاد السوفييتي، واحترقت المكتبة في الحرب!![1] ثم طالبهم بتكملة المصنف الذي أرسلوا منه مجلدين فقط، فلم يردوا عليه!

وطلب الشيخ أديب من الحميري صورة من المخطوط فأبى الحميري.

وقال الشيخ أديب إن هذا الكلام كان سنة 2001 بتقويم النصارى تقريباً، وبعدها أُخرج الحميري من الأوقاف، فلم يلتق معه بعدها إلا مرتين أو ثلاثة، وأرسل له أخباراً في أن

---

[1] قارن بين هذا الكلام وبين ما كُتب آخر النسخة المزعومة أنها نُسخت ببغداد سنة 1933! وتأمل هذا مع إلحاح الحميري في مقدمته أنها من خطوط القرن العاشر، وكتمانه لأمر نسخة الاتحاد السوفييتي وحداثة النسخ منها!

وهكذا يُكتشف الكاذب من تضارب أقواله!

يقوم بتخريج الكتاب له، وقابلها بالرفض، ثم رأى الكتاب مطبوعاً سنة 2005م.

ويرى الشيخ أديب أن الحميري ليس له علاقة مباشرة في تزوير المخطوط، وأنه كان يجهل وضعه ذلك الوقت، بخلاف محمود سعيد ممدوح!

وقلت للشيخ أديب: هل تأذن لي بنقل هذا الكلام عنك، وهل تخشى أن يصيبك حرج في ذلك؟ فقال: أنا مسؤول عن كلامي هذا، ولا مانع من نقله عني، وإن شئت كتبتُ لك إفادتي خطياً، لأن التحرير أضبط في العبارة من المذاكرة.

فهذا ما ذكره لي الشيخ أديب، جزاه الله خيرا على موقفه الشجاع هذا وإفادته وإبرائه لذمته، وأسأل الله أن يسدده ويوفقه لما يحب ويرضى.

هل كان الحميري ومن معه يجهلون حال الكتاب؟

هذا سؤال مهم بعد معرفة ما سبق، وما يلحق من كلام على أسانيد ومتون الكتاب، ووجود جماعة من أهل العلم من أيام السيوطي إلى يومنا صرّحوا أن حديث جابر في النور (على الأقل) لا إسناد له، بل هو كذب مفترى.

لقد حاول الشيخ الكمداني كثيراً ثني الحميري ومن معه عن إخراج الكتاب، وأعلمهم بحاله، ولكن الحميري أبى إلا أن يخرجه، فماذا يسمى هذا؟

نعم، أفاد الشيخ الكمداني أن الحميري كان يجهل حال الكتاب وقت وصوله إليه، فهل استمر ذلك الجهل عند الحميري من ذلك الوقت إلى خروج الكتاب، وهو أربع سنوات على الأقل؟

يظهر لي بجلاء أن الجواب: لا! لماذا؟

لأن الحميري لو كان جاهلا به لأخرجه كما هو، دون مقدمة كلها إصرار متعمد على تمشية الكتاب، ولذكر ما له وما عليه في الكلام على حديث النور، وهو يعلم كلام أسياده الغماريين

عن الحديث! لكنه كتم كل ما يشوش عليه أمره، بل ردَّ على من تكلم على حديث النور! ولبّس في ذلك ودلس.

فأقول بصراحة إن الحميري **شريك في جريمة وضع الكتاب**، لأنه علم أن الكتاب منسوخ حديثاً، وأنه مستنسخ عن نسخة في الاتحاد السوفييتي السابق فيما زُعم، ومع ذلك لم يذكر هذا في مقدمته مطلقا، مع أن الناسخ كتب أنه نسخ الكتاب سنة 933 من الهجرة! وهذا كافٍ لوحده في كشف تزوير النسخة وإسقاطها، وإسقاط من عَلِم بذلك ودلسه على الناس، بل ذهب الحميري أمراً أبعد من ذلك في سبيل تسوية أمر النسخة، فمع علمه بما سبق أخذ يدلس ويزعم في مقدمته أن المخطوط من خطوط القرن العاشر فعلا، ويعقد المقارنة الفاشلة بين مخطوطه المزور وغيره من نماذج خطوط ذلك القرن! فمعنى ذلك أنه عالمٌ بأمر النسخة وعيوبها الفاضحة لها، وإلا لما احتاج أن يتستر على تلك العيوب ويكتمها عمداً، ثم يدلس ويسوّي أمر النسخة.

ولا فرق عند علماء الحديث بين من وضع ابتداء، وبين من سرق هذا الموضوع وروّجه عالماً به، فكلاهما يحكمون بأنه كذاب!

حتى لو لم يكن يعلم الحميري بتزوير الكتاب (وهو عالم!) فواجبه أن يتثبت في نشر الحديث، للأمر النبوي والوعيد الشديد فيه، أما أن يُعرَّى حال الكتاب أمامه ويُعلَّم ويُلقَّن كيف يفحص المخطوط، ثم يعاكس ذلك كله فهذا الصنيع أخو الكذب والوضع الأصلي، وهو تواطؤ مع الواضع.

إن أمامَنا تسلسل في عملية التدليس والتلبيس بحال الكتاب قبل إخراجه، بدأت من وجوده عند طائفة متهمة وهي البريلوية[1]،

---

[1] ومن شاء أن يعرف مدى انحراف هذه الطائفة فليطالع كتاب البريلوية للشيخ الشهيد -إن شاء الله- إحسان إلهي ظهير، وترجمة رأس طائفتهم أحمد رضا خان البريلوي للعلامة عبد الحي الحسني

وليس في مكتبة معروفة، وفي بلد تتبع فيها مشايخها المعتنين بالحديث نسخ الكتاب منذ زمن أنور الكشميري إلى تلميذه الأعظمي (كما في مقدمة المصنف الحقيقي!)، ثم تملك الحميري الكتاب المزور، وإعلامه بتزوير المخطوط وكذب ما فيه، وثبوت ذلك بعد قليل من السؤال (عبر قصة نسخه من مكتبة احترقت في الاتحاد السوفييتي، بينما كُتب أنه نُسخ سنة 1933!)، ومع هذا حاول الحميري جاهداً صرف النظر عن عوار النسخة بأمور لا تنطلي إلا على أمثاله، وطوّل النقول (وغالبها عن الغماريين) في مقدمته (ص36-50) في أن غرابة المتون وركاكتها لا تقتضي الوضع والنكارة، بعد ذلك تهيأ للحميري تصحيح موضوعات الجزء، وقد فعل، فصحح؛ واستدل؛ واعتقد؛ ونشر؛ ودعا!!

وابنه مجيزنا أبي الحسن الندوي في نزهة الخواطر (8/49-52)، فذُكر عنه العجائب في تكفير مخالفيه من أئمة الديوبندية وغيرهم، وغلوه البالغ في جناب المصطفى صلى الله عليه وسلم، حتى سُمّي: (عبد المصطفى)! وكذلك غلوه في القبورية والخرافات!
وقد رأيتُ بنفسي في الهند ما يسميه أتباعه أعياد القبور أو (أعراس القبور!)، وكنت أشاهد الزحام الشديد في القطارات أيامها لزيارة القبور من عوام البريلوية والهندوس معاً! والجميع يتوسل وينذر ويشرك بهذه القبور، وحصل بيني وبين أحد الأطباء الهندوس نقاش هناك حول الإسلام، فقال لي: لا فرق بيننا وبين المسلمين، كثير من مقدساتنا مشترك، وعباداتنا عند القبور واحدة، وعاداتنا متشابهة، وكان كل كلامه منصباً على البريلوية!
ولا عجب أن يكون عوام البريلوية هكذا إذا كان علماؤهم -بل مثل من وصفه الحميري بالشيخ الصالح الفاضل! محمد أمين بركاتي قادري- يكذبون ويفترون على رسول الله صلى الله عليه وسلم!
اللهم اهد ضال المسلمين، وادفع شرور المضلين والمفسدين.

ومـا دام أن الحميـري ناشـر هـذا الكـذب؛ ومُخرجـه للنـاس؛ والملبّس عليهم بصحته؛ فهو يتحمل تبعته، ويجده في صحيفته إن شاء الله، وسيعلم الذين ظلموا أي منقلب ينقلبون.
فلا يُستغرب أن كتب الحميري على غلافه الداخلي: "جميع الحقوق محفوظة للمؤلف"، فهل مؤلفه صاحب الحقوق عبد الرزاق أم ...؟!

• ومن صور تدليس الحميري أن يكتب على غلاف الكتاب الداخلي أنه طُبع سنة 1425هـ ويؤكده بالتاريخ النصراني 2005م، والواقع أن الكتاب طُبع حديثاً آخر سنة 1426، بدليل مقدمة ممدوح المؤرخة في 22 ربيع الآخر سنة 1426!! وتاريخ نزول الكتاب للأسواق!

تواطؤ محمود سعيد ممدوح في الجريمة:

إن أعمال الحميري في إخراج الكتاب تذكرنا بالمثل (كاد المريب أن يقول خذوني)، فاحتاج إلى من يتابعه حتى لا ينفرد بالجناية، ولم يجد لهذا الأمر المهين سوى محمود سعيد ممدوح المصري، فكتب هذا مقدمة للكتاب (ص3-4)، الشاهد منها هو قوله إن صاحبه الحميري: "تحصّل على القسم المفقود من المصنف، وقد رأيتُه في مكتبته مخطوطاً، وقد وصف الشيخ المخطوط في تحقيقه بما يُثبت الثقة فيه.. فجزاه الله تعالى خيراً وأحسن إليه، وشرح صدره لكل عمل صالح، وهو جهدٌ يُشكر عليه، فلله درّه".

متابعة تامة في إثبات النسبة لعبد الرزاق، وأن المخطوط المزور ثبتت الثقة فيه، وأن عمل الحميري جهدٌ مشكور يُوافقه عليه! ولله درّه!!

من الممكن تصديق أن الحميري جاهل بالحديث ولا أسهل من انطلاء كتاب موضوع عليه، أما محمود سعيد ممدوح؟ فلا وربّي إن مثل ذلك لا يخفى عليه، كيف وهو يقدّس ويغلو في أشياخه الغماريين وآثارهم، وهناك رسالة مستقلة لشيخه عبد

الله الغماري في إبطال حديث جابر في النور المحمدي، وأن نسبته لمصنف عبد الرزاق كذب؟!
كان على ممدوح أن ينأى بنفسه عن إسقاط نفسه وترويج هذا الكذب الصراح ونسبته لرسول الله صلى الله عليه وسلم -فضلا عن عبد الرزاق- مقابل ارتزاق دريهمات من ربّه في العمل!!
وقد قال الإمام الشافعي -الذي يزعم ممدوح تقليده- عن حديث "من حدّث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين": إذا حدّثت بالحديث فيكون عندك كذبا ثم تحدّث به فأنت أحد الكاذبين في المأثم.
ولا يخفى ممدوح[1] ما هو مأثم الكاذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولا صاحبُه الحميري، ولكنه الهوى المُردي والإغراق في الضلال، والعياذ بالله.
نسأل الله أن يعصمنا من الهوى والضلالة، وأن يحفظنا من الموبقات والمهلكات، وأن يرزقنا اتباع السنّة والعمل بها ونصرتها، إنه سميع مجيب.

كشف علل المخطوط على ضوء ما ذكره الحميري نفسه:
كنتُ قد بيّنتُ كذب المحطوط عبر القرائن في كتابتي الأولى، وذلك قبل علمي بالمعلومات المفصّلة من الشيخ الكمداني التي فيها النص والتصريح بحاله، ومع ذلك فأرى من الضرورة

---

[1] ونعوذ بالله من الحور بعد الكور، فبعد أن كان محمود سعيد ممدوح متتلمذاً مستفيداً من كتب الإمام الألباني، مُشتغلا بالسنة: بدأ معه الانحراف لغلوه في الغماريين، ثم زاد معه الانحراف، إلى أن صار يتملق لشتى أهل الأهواء، حتى أصبح ظهيراً للقبوريين والخرافيين والشيعة، ومن آخر ذلك هذا المصنف مع سيده الحميري، وكتابه (غاية التبجيل) الذي ألفه نفاقاً لبعض المنتسبين لآل البيت، وخلص فيه لتفضيل علي بن أبي طالب على أبي بكر وعمر رضي الله عن الجميع! نسأل الله الهداية والعافية.

إثبات القرائن التي ذكرتُها مع بعض التنقيح، لأنني لا آمن من مجزمين مثل الحميري وممدوح أن يكذّبا الشيخ أديب فيما ذكره، ويستخدما شتى ضروب التلبيس والتدليس في دعم جريمتهما، فمن استحل الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم وتواطأ عليه فلا يُستبعد عليه إطلاقا الكذب على الناس، وقد رأيتُ بعض ذلك من محمود سعيد ممدوح -على الأقل- في بعض حواراته في شبكة المعلومات الدولية (الإنترنت)، فهذه القرائن ذكرتُها على ضوء ما أورده الحميري نفسه في كتابه!
أقول مستعينا بالله:

أولاً:

إن تفرد نسخة الكتاب ما بين قادرية الهند والحميري كافٍ للتشكيك بمصداقية الكتاب، لأن طائفة القادرية هناك (وهي البريلوية) من غلاة الطرقية الذين يعتقدون ويدعون لأولية النور المحمدي، ولما عرضتُ الكتاب على الشيخ المحدّث المحقق عبد القدوس محمد نذير الهندي قال: ما دام الكتاب خرج من عند قادرية الهند فلا شك أنه من عمل أيديهم، فهم يمتحنون الناس في هذه المسألة عندنا، وهي من أسس دعوتهم واعتقادهم، ومن أبرز ما يخالفون فيه، هم وأصحاب الطريقة الجشتية.

قلت: هذا الاعتقاد الردي يشاركهم فيه الحميري، فقد سوّد كتاباً مستقلاً في هذا الشأن أحال عليه في مقدمة الكتاب وتعليقاته المظلمة مراراً، بل صرّح أنه لم يدفعه لإخراج الكتاب إلا هذه المسألة.

ومن العجب تتبعه لهذا الحديث مع تضافر أسياده قبل غيرهم على أنه كذب!

وصدق شعبة إذ قال: لا يجيء الحديث الشاذ إلا من الرجل الشاذ.

وإنني أؤيد كلام الشيخ عبد القدوس في أن واضعه هندي معاصر، لما سيأتي.

ثانياً:
إن المخطوط مزور، وليس من كتابات القرن العاشر -وإن كُتب عليه ذلك، وجاهد الحميري لتثبيته- فمن الواضح للعارف أن كاتبه خطاط معاصر هندي، وخطه من جنس خطوط الطبعات الحجرية في القرن الماضي في الهند، وطريقة كتابة الحروف تؤكد ذلك، مثل الياء آخر الكلمة (مثل كلمة الزهري)، وكلمة (الطاؤس)، و(الملئكة)، هذا في الصفحة الأولى التي أوردها الحميري (ص18) ويمكن النظر فيها في النموذج المرفق.
وفي الصفحة الأخيرة التي أوردها الحميري (ص22): تلاحظ كتابة الهاء آخر الكلمة (مثل: مثله، الآية، عليه)، والحاء المقطوعة آخر (نجيح)، والغين المقطوعة آخر (الفراغ)، وهذه هي الطريقة الشائعة في الكتابة عند الهنود، ومن عنده مصحف من تلك المصاحف الباكستانية والهندية التي كانت منتشرة قبل اشتهار نسخة عثمان طه سيشاهد الخط نفسه، وقال لي الشيخ عبد القدوس نذير الهندي لما رأى الخط: هذا خط هندي معاصر. وكذلك قال لي الشيخ عمر بن سليمان الحفيان -وهو درس ماجستير علم المخطوطات في معهد المخطوطات في القاهرة- وغيرهما.
أما الحميري فأراد صرف النظر عن ذلك بالتأكيد أن ذلك الخط هو خط القرن العاشر، وأورد ثلاث نماذج لذلك، ولا يسلّم له ذلك إطلاقا، فالمخطوط كُتب بخط مقارب بين النسخي والثلث، وكاتبه خطاط، وغاية الأمر أن النماذج التي أوردها مكتوبة بخط نسخي وكتبها خطاطون أيضا، فلا غرابة أن تتشابه بعض طريقة الكتابة والخط مقارب على يد خطاطين يمشون على القاعدة، ولكن يرد عليه أن الخط النسخي قد استقرت

قواعده على يد حمد الله الأماسي (ت922)، الذي قام بإدخال الإصلاحات النهائية على خطي النسخ والثلث فأضفى عليهما جمالاً باهرًا هو ما نشاهده هذه الأيام، ومع نهاية هذا القرن أصبح الخط مستقرًا، وعليه فإن خطوط القرن العاشر في النسخ والثلث لا تختلف عن خطوطنا نحن اليوم، فلماذا يتحكم الحميري في أن خط المخطوط هو خط القرن العاشر فقط؟

ثم لدينا نماذج كثيرة جدا من خطوط ذلك القرن ليست بالخط النسخي ولا الثلثي أصلا ولا تشبه الخط بتاتاً، فماذا يقول عنها؟ فكان على الحميري أن يكتفي بذكر تاريخ النسخة المثبت بآخرها ويسكت عن دعوى المقارنة ما دام أنه يثق في نسخته، إلا أن علمه بأن فيها ما يريب حمله على ما فعل!

• هذا ما كنتُ سطرتُه في كتابتي الأولى، أما الآن فقد تبين أن المخطوط حديث النسخ، أفاد الشيخ الكمداني أنه رآه بورق حديث وخط طري! وأنه لما طولب واضعه الهندي بأصل نسخته أفاد أنه استنسخها من مكتبة بالاتحاد السوفييتي، وأنها احترقت! فبطل أمر المخطوط أصلاً، وبان كذب ما جاء فيها أنه نُسخت سنة 933 في بغداد!!

ويأتي مزيد أدلة على أن الواضع هندي عند الكلام على متون الكتاب.

وهذه صورة المخطوط المزعوم:

الصفحة الأولى من المخطوطة
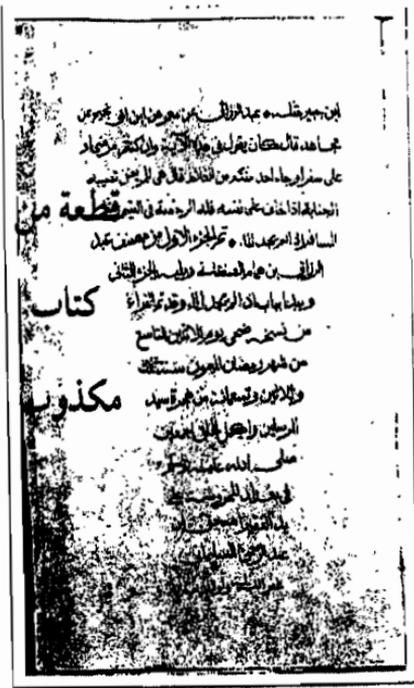
الصفحة الأخيرة من المخطوطة

ثالثاً:

أما إتقان الناسخ فادعاء غير صحيح، ولا يصدَّق الحميري في زعمه ونقله بشكل عام؛ وفي هذا خصوصاً، وأمامنا من نسخته -التي زعمها متقنة- صفحتان مصورتان فقط، وأربعون حديثا هي عدد أحاديث المطبوع، وبغض النظر عن مسألة الكذب نجد في الحديث الأول أنه أخطأ في اسم الصحابي الشهير السائب بن يزيد رضي الله عنه، فكتبه ابن زيد، وفي الحديث الثاني قال ابن جريج (من أتباع التابعين): أخبرني البراء الصحابي! فأين الإتقان وهذه البداية؟

ومن أدلة قولي إن الحميري لا يصدّق في نقوله أنه **يغيّر ما في المخطوط** (المتقن بزعمه) من عنده! ففي الصفحة الأولى من المخطوطة التي أوردها (ص18): (فسجد خمس مرات، فعُبّدت علينا تلك السجدات)، فكتبها الحميري في المتن (ص53): (خمس مرات، فصارت علينا)، ولم يُشر إلى تغييره! لعله إخفاء لعُجمة التركيب في الأصل! وعلى كل حال فهذه خيانة في التحقيق لم يظهر لنا منها إلا من القدر اليسير الذي أظهره، فكيف بما خفي علينا ولم يورده؟!

وفي حديث جابر في النور (رقم 18) غيّر من أصله المتقن (؟!) وأثبت من نقل قدوته وإمامه محيي الدين بن عربي الحاتمي للحديث!

وفي أول الكتاب وضع عنواناً من عنده: كتاب الإيمان! ولا أصل لذلك لا واقعاً ولا عقلاً، فمتى سمع الناس أن مصنفا يذكر (كتاباً) فيه (باب واحد) فقط، وهو باب تخليق نور النبي صلى الله عليه وسلم؟! ثم هذا محله لو كان يفهم في كتاب الشمائل، لا الإيمان!

كما أن الحميري أقل من أن يفهم معنى الإتقان، وهو يقول عن سند ابن جريج أخبرني البراء (ص55): ابن جريج حافظ ثقة، وكان يدلس، وقد صرّح هنا بالإخبار؟!

وله أمثلة أخرى من تعليقاته الصارخة بجهله في العلم، فأنّى يصدَّق في ما يدّعيه؟ والنسخة إنما هي عنده وليست في مكتبة عامة؟ ورفض تصويرها لمن هو قريب منه، فكيف لأعدائه؟

فضلا أن القدر الضئيل الذي أخرجه من الكتاب مليء بالأخطاء في النص كما يذكر الحميري نفسه في تعليقاته! ولله في خلقه شؤون.

رابعاً:

ومما يدل على عدم الثقة في النسخة أنه لا سند لها ولا سماعات عليها، بخلاف المفترض لكتاب كهذا، مع أن الناسخ

لما كتب الكتاب كتبه على الطريقة التي ينبغي فيها وجود سند، لأنه يقول عند كل حديث: عبد الرزاق، عن فلان وفلان، ولو كان نسخاً مجرداً للكتاب لما احتاج أن يذكر عبد الرزاق في كل إسناد.

• كما أن في النسخة تسمية الناسخ إسحاق بن عبد الرحمن السليماني، وأنه كتبه في بغداد سنة 933 من هجرة سيد المرسلين وأكمل الخلق أجمعين صلى الله عليه وسلم في بغداد المحروسة.

فأقول: لم تجر العادة بالنص على التأريخ الهجري إلا في آخر أيام الخلافة العثمانية، لما بدأ ينتشر تأريخ النصارى، وإلا فقد كان المعتاد أن يكتب التاريخ مجردا عن الإضافة للهجرة، ولهذا الموضوع كلام طويل نبّه عليه الشيخ تقي الدين الهلالي رحمه الله، ومن بعده المشايخ: عبد الرحمن الباني، ومحمود شاكر المؤرخ، وبكر أبوزيد حفظهم الله، وغيرهم.

• وكذلك فإن من الغريب أن يُكتب المصنف ببغداد -في ذلك الزمان- وقد اندثر فيها علم الحديث وندر من يطلبه، بل وقد مضى ثلاثة قرون على ذهاب غالب مكتباتها على يد التتار، ومن المؤشرات على غرابة وجود المصنف في بغداد وقتها أن مسنِد بغداد السراج القزويني (ت750) في مشيخته الحافلة لم يذكر المصنَّف ضمن مروياته، وإنما ذكر روايته لسنن عبد الرزاق (ص412) من رواية الطبراني عن الدبري عنه، وهذه غير المصنف، بل هو كتاب من تأليف الطبراني كما في المنتخب من معجم شيوخ السمعاني (587/1)، ورواه القزويني بالإجازة لا بالسماع.

فإذا كان هذا حال المصنف ببغداد في القرن الثامن وفيها بقية اشتغال بالحديث، فكيف بالقرن العاشر؟

وغالب كتب السنة المتخصصة التي وصلتنا إنما نُسخت قبل ذلك الوقت، ولم تعد تُنسخ إلا نادراً.

• ثم هنا تساؤلات عن الناسخ، وأين ترجمته، وما حاله؟ كل ذلك لم نجد له جوابا إلا أنه غير متقن! ولو وجد الحميري ترجمة له لأتى بها، فإنه كان في أمس الحاجة إلى ذلك!
• ولنا وقفة في كون ناسخ هذا الكتاب المتخصص خطاطا! فالخطاطون كانوا يكتبون المصاحف ودواوين الشعر وكتب الأدب التي لها طابع شعبي ويهتم باقتنائها الأمراء والأغنياء عمومًا، لذا قد نجد نسخا مخطوطة من صحيح البخاري أو مسلم كتبها الخطاطون ومعروف اهتمام عامة الناس بالصحيحين، بل قد تُقتنى للبركة، أما كتب العلم المتخصصة مثل كتب أصول الفقه والحديث فلم يكن يكتبها إلا طلبة العلم، ولهم طريقة في الكتابة تختلف عن طريقة الخطاطين والوراقين، فقد كان «الخط يوصف بالجودة إذا خرج عن نمط الوراقين» [أدب الكتاب ص50]، وكذلك كانت نُسخ الخطاطين والوراقين تمتاز بأحجامها وتباعد أسطرها وكلماتها، بخلاف النسخ التي كتبها طلبة العلم والعلماء؛ إذ يُحرَص على تراكب الكلمات وتراص السطور كي لا يستطيع أحد أن يدس كلمة أو يعبث بالمخطوط (نحو علم مخطوطات عربي ص69).
إذا تقرر هذا نقول: إن هذا المخطوط كتبه خطاط بلا شك، وليس هو من المخطوطات التي يحرص الخطاطون والوراقون على استنساخها، بل ينسخها أهل الحديث المعنيون بها ولهم نمط في الخط طريقة في الكتابة يختلف عن غيرهم، وكل هذه الأمور لا نلحظها في هذه النسخة المُدعاة.
• وقد يقول قائل: ما ذكرتموه صحيح، ولكن ألا يمكن أن تكتب بعض المخطوطات على خلاف الأصول التي ذكرتموها؟
نقول: ممكن أن يقع الاستثناء في أمر أو أمرين، أما هنا فقد تضافرت أمور كثيرة من شأنها أن تضعف الثقة بهذا المخطوط المزعوم، وهي:
1- كتابة قيد الفراغ.
2- طريقة الكتابة.

3- نمط الخط.
4- جهالة الناسخ المزعوم (إن كان له وجود أصلاً).
5- تفرد بتأدية هذا المخطوط المزعوم إلينا رجل ينتسب إلى طائفة هندية منحرفة أشد الانحراف في مسألة الغلو بالنبي صلى الله عليه وسلم، ولا يخفى أن جل الأحاديث المنقولة فيه مما يؤيد بدعته وغلوه، والراوي عنه (الحميري) حاله قريب منه، فالإسناد مسلسل بـ.....
6- أسانيد الأحاديث ومتونها، وتأتي.
فكل هذه قرائن تزيد من وهن الكتاب الخالي أصلا من أدنى مقومات التوثيق، وقضية التاريخ الهجري تجعلني اطمئن أكثر أنه وُضع في عصرنا الحالي[1].

خامساً:
بدأ الكتاب في هذه النسخة الموضوعة هكذا: باب في تخليق نور محمد صلى الله عليه وسلم، وأضاف الحميري قبله (كتاب الإيمان) من عنده، ثم بدأ كتاب الطهارة، فهل واقع مصنف عبد الرزاق كذلك في التبويبات؟
إن المعلومات التي لدينا تشير إلى أن الباب الأول مفترى جملة وتفصيلاً، فالظاهر أن المصنَّف (الحقيقي) يبتدئ بكتاب الطهارة، فقد نص في كشف الظنون أن الكتاب مرتب على أبواب كتب الفقه، وهي تبدأ بالطهارة، ولما نقل ابن خير الإشبيلي في فهرسته (ص129) عن الحافظ أبي علي الغساني تسمية أبواب المصنف في رواية ابن الأعرابي عن الدبري للكتاب بدأ بكتاب الطهارة، وسرد أبواب الكتاب، ولـيس فيها كتاب الإيمان ولا ما يمكن أن يدخل تحته باب تخليق نور النبي

---

[1] هذا ما كنتُ كتبتُه أولاً، ثم تبيّن صدق حدسي بعد شهادة الشيخ الكمداني وفقه الله، وتبيّن أن النسخ المدعى كان ما بين الهند والاتحاد السوفييتي! ولا شأن لبغداد بذلك، ولا القرن العاشر!

صلى الله عليه وسلم، ولم أجد أحداً عزا هذين الباب أو الكتاب لعبد الرزاق على مدى الزمن.

سادساً:
صدّر الحميري الكتاب بقوله: "إسنادي إلى مصنف الإمام عبد الرزاق الصنعاني".
وساق سنده بالإجازة، وتصرفه هذا فيه إيهام من لا يعرف الشأن بأن الكتاب الذي بين أيدينا متصل السند، وفيه تغرير بثبوته، وليس كذلك! ولا سيما أن الكتاب موجه في الغالب إلى أمثال الحميري من عوام مشايخ الطرق الذين لا شأن لهم ولا بصر في الحديث.
ومع ذلك فقد وقع الحميري في عدد من الأخطاء والملاحظات في سنده، تدل على جهله حتى في هذا الرسم!
فقد ساق السند من طريق مجيزنا الشيخ عبدالفتاح أبو غدة رحمه الله عن الكوثري، عن عبد الحي الكتاني.
وهذا الجميري لعله يجهل أن شيحه يروي عن عبد الحي الكتاني بلا واسطة! لكنه الغرام بالكوثري إمامه في التلبيس والتدليس ومحاربة السنة!
ومن المشين أن يروي الكتاب عن الشيخ أبي غدة وهو ممن يرى وضع حديث النور! ورفض إخراج الأربعين العجلونية لوروده فيه!
كما روى الحميري عن مجيزنا الشيخ عبد العزيز بن الصديق رحمه الله ونسبَه حُسينياً! وهو حسني! عن عبد الحي بن عبد الكريم (!) الكتاني، وهو ابن عبد الكبير.
وجعل الرواية عن عبد الله بن سالم البصري على (كذا) الزيادي، وهو يريد: علي الزيادي، وبينهما مفاوز! وعليه فسند الحميري ضعيف لانقطاعه! فضلاً عن أوهام صاحبه.
وحرّف عبد الوهاب بن منده إلى ابن منك!

وجعل ابن منده (أو ابن منك في رواية الحميري!) يروي المصنف عن محمد بن عمر الكوكبي عن الطبراني، وهذا غير دقيق، فقد رواه ابن منده عن الكوكبي، وعن أبي بكر محمد بن محمد بن الحسن الفقيه، وعن أبي عثمان سهل بن محمد، سماعاً على ثلاثتهم ملفقاً، عن الطبراني.

أما مسألة تفصيل السماع من الإجازة، ومسألة تحديد روايات قطع محددة من المصنف لم تقع من رواية الدبري عن عبد الرزاق فهذه أمور لا يكلف بها من هو في مستوى الحميري بالرواية، والله أعلم.

وإزاء عدم ثبوت هذا الجزء المنسوب لمصنف عبد الرزاق، وتفرد الحميري بروايته فينبغي أن يطلق عليه (مصنف الحميري)، والله أعلم.

* * *

وبعد الكلام على المخطوط المزعوم يأتي الكلام على أسانيد ومتون النسخة، والله المستعان، وعليه التكلان.

الكلام على وضع متون وأسانيد النسخة

إن صاحب الحديث المتأمل في النسخة يراها جميعها ما بين إسناد مركب أو متن موضوع.

والواضع المجرم لم يأخذ في حسبانه مسألة هل تجيء الأسانيد كما ذكر؟ ولا مسألة التخريج والمتابعة، وفاته أنه لا يمكن أن يُروى حديث عن الزهري مالك ومعمر وأمثالهم؛ دون أن يكون مسطوراً معروفا في كتب السنة الأخرى، فضلا أن يتفرد عبد الرزاق في القرن الثالث بحديث فرد لا يرويه غيره، فضلا أن حديث عبد الرزاق منتشر مشتهر في الكتب، واستوعب حديثه أمثال الإمام أحمد والطبراني وغيرهما، وما علم أن الحافظ الثقة عبد الرزاق -أو غيره- لو كانت هذه الأسانيد والأحاديث من مروياته حقاً لحكم عليه الحفاظ بالكذب لا الثقة! وأن حديث النور لوحده لو ثبت عن عبد الرزاق لأسقط حديثه كله!

فركّب هذا الوضاع الجاهل الأسانيد كيفما اتفق، واكتفى بمجرد ظن المعاصرة، فكان كشف كذبه سهلا ميسورا ولله الحمد.

هذا عن الأحاديث المروية متونها، أما ما كان غيرها فقد تبيّن أن واضع النسخة أخذ ستة مواضع من الصلوات والأحزاب التي أوردها الجزولي في كتابه دلائل الخيرات، ووضع لها أسانيد عن الصحابة والتابعين وأتباعهم! ويأتي تفصيل ذلك.

وجاء الحميري ليتابع الواضع في كل مفترياته عمداً! ولم ينبه على شيء من ذلك لئلا يُفسد عليه نشوته ومقصوده بإخراج مصنفه المكذوب.

ولن أتتبع جميع أحاديث الكتاب الأربعين، لأنها كلها مركبة: إما الإسناد أو المتن، ولكن أكتفي بالأمثلة الواضحة على الوضع والكذب، وهي تدل على البقية من أخواتها.

اختلاق المتون:

وقبل الكلام عليها ينبغي التذكير أن هذا الحميري قد سوّد في مقدمته الصفحات مؤكدا أن النكارة والركاكة في المتن لا تقتضي وضع الحديث لعلمه أن أحاديث نسخته كذلك!- محاولاً توعير الطريق على من سينقده ومصنّفه الموضوع، وختم مقدمته بقوله (ص50): "فتحصل لنا أن الحكم على بعض الألفاظ بالنكارة صعبٌ للغاية، ولا يتأتى إلا للبزل من الرجال، فالصواب أن من استشكل لفظة فلا يسارع بإعلان النكارة، بل يتوقف ويسأل الله فإن فوق كل ذي علم عليم".

ويُجاب باختصار: ليس هذا عشك فادرجي! وليس جهلة الطرقية حجّة ولا حكاما على أهل الحديث، ولو تُرك الأمر على ذوقهم وحسّهم للنكارة لما بقي حديث موضوع يوافقهم إلا صححوه! وأمامنا شواهد حية على ذلك في هذا الكتاب قبل غيره.

• وأولها الحديث الأول في النسخة: وهو عن معمر، عن الزهري، عن السائب بن يزيد، وهذه صورته من الكتاب:

في الدنيا، ثم وضع في هذه القناديل فيامه كقيامه في الصلاة ثم طافت الأرواح حول نور محمد صلى الله عليه وسلم فسبحوا وهللوا مقدار مائة ألف سنة، ثم أمر لينظروا إليها كلهم فينظرون إليها كلهم فمنهم من رأى رأسه فصار خليفة وسلطاناً بين الخلائق، ومنهم رأى وجهه فصار أميراً عادلاً، ومنهم من رأى عينيه فصار حافظاً/ لكلام الله تعالى، ومنهم من رأى /اب حاجبيه فصار مقبلاً، ومنهم من رأى خديه فصار محسناً وعاقلاً ومنهم من رأى أنفه فصار حكيماً وطبيباً وعطاراً، ومنهم من رأى شفتيه فصار لحسن الوجه ووزيراً، ومنهم من رأى فمه فصار صائماً ومنهم من رأى سنه فصار لحسن الوجه من الرجال والنساء، ومنهم من رأى لسانه فصار رسولاً بين السلاطين، ومنهم من رأى حلقه فصار واعظاً ومؤذناً وناصحاً، ومنهم من رأى لحيته فصار مجاهداً في سبيل الله، ومنهم من رأى عنقه فصار تاجراً، ومنهم من رأى عضديه فصار رماحاً وسيافاً، ومنهم من رأى عضده اليمنى فصار حجاماً، ومنهم من رأى عضده اليسرى فصار جلاداً وجاهداً، ومنهم من رأى كفه اليمنى فصار صرافاً وطرازاً، ومنهم من رأى كفه اليسرى فصار كيالاً، ومنهم من رأى يديه فصار سخياً وكيالساً، ومنهم من رأى ظهر كفه اليمنى فصار صباغاً، ومنهم من رأى ظهر

٥٤

كفه اليسرى فصار حائكاً، ومنهم من رأى أنامله فصار كاتباً، ومنهم من رأى ظهور أصابعه اليمنى فصار خياطاً/، ومنهم من /٢ا رأى ظهور أصابعه اليسرى فصار حداداً، ومنهم من رأى صدره فصار عالماً وشكوراً ومجتهداً، ومنهم من رأى ظهره فصار متواضعاً ومضيعاً بأمر الشرع، ومنهم من رأى جنبيه فصار غازياً، ومنهم من رأى بطنه فصار قانعاً وزاهداً، ومنهم من رأى ركبتيه فصار ساجداً وراكعاً، ومنهم من رأى رجليه فصار صياداً، ومنهم من رأى تحت قدميه فصار ماشياً، ومنهم من رأى ظله فصار مغنياً، وصاحب الطنبور، ومنهم من لم ينظر إليه فصار مدعياً بربوبية كالفراعنة وغيرها من الكفار، ومنهم من نظر إليه ولم يره فصار يهودياً ونصرانياً وغيرهم من الكفار.

٢- عبدالرزاق عن ابن جريج قال: أخبرني البراء قال: ما رأيت شيئاً قط أحسن من رسول الله صلى الله عليه وسلم(١).

---

(١) ابن جريج حافظ ثقة، وكان يدلس، لكنه صرح هنا بالإخبار، والحديث قد أخرجه مسلم في باب صفة النبي صلى الله عليه وسلم وأنه كان أحسن الناس وجهاً (١٨١٨/٤) بلفظ: (كان رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلاً مربوعاً، بعيد ما بين المنكبين، عظيم الجمة إلى شحمة أذنيه عليه حلة حمراء ما رأيت شيئاً قط أحسن منه (صلى الله عليه وسلم)، وأخرجه البخاري (١٣٠٣/٣) -

٥٥

حديث مكذوب

قلت: لا شك أن المسلم العاقل يندهش عند رؤية هذا الهذيان والسُّخف منسوباً للنبي صلى الله عليه وسلم، نعم، لم تأت النسبة مرفوعة صراحة في الكتاب، لكنها مرفوعة حُكْماً، لذكر ألنبي صلى الله عليه وسلم والخلفاء الأربعة فيها، فلا يُقال إنها من الإسرائيليات، والصواب إنها من الهنديات! فالمتن بخيالاتهم وأدبياتهم أشبه، والركاكة والتراكيب الأعجمية واضحة جداً في المتن، وهذا الواضع الجاهل ما عرف كيف يستر تأخره، وإلا لغيّر تسمية المهن المتأخرة، مثل الرمّاح، والسيّاف، والجلاد، والطرّاز!

وبالطبع فلم يعلّق عليه الحميري حرفاً واحداً، كذلك لم يخرّجه، لماذا؟ لأنه لا يمكن لبشر تخريج هذا الهراء أصلا! حتى من كتب الموضوعات في الحديث! ولو أراد لما وجد شاهداً إلا حديث عرق الخيل الذي لا يجهله الحميري الكوثري!

وقد وجدت الإشارة إلى مطلع هذا الحديث في بعض كتب الرافضة المتأخرة دون إسناد ولا ادعاء أنه حديث!
فهذا مثال لما يجب أن لا يَحكم بنكارته إلا البزل من الرجال؛ كما يقول الحميري! وهذا أول ما في النسخة التي أثبت هو ومتابعُه محمود سعيد ممدوح ثقتها!

• وهذا الحديث الرابع (ص56) هكذا: عبد الرزاق، عن ابن جريج، قال: أخبرني نافع، أن ابن عباس قال: لم يكن لرسول الله صلى الله عليه وسلم ظل، ولم يقم مع شمس قط إلا غلب ضووْه [في المطبوع: ضوءه، وهو يعكس المعنى!] ضوء الشمس، ولم يقم مع سراج قط إلا غلب ضووْه [في المطبوع: ضوءه أيضا!] ضوء السراج.
قلت: هذا المتن ليس له أصل مرفوعاً، وإنما يذكره المتوسعون في كتب السيرة والخصائص المتأخرة التي يجمع مؤلفوها بين الثابت وما لا يثبت والموضوع وما لا أصل له!
وهذا السيوطي على سعة اطلاعه لم يجد له مخرجاً في الخصائص الكبرى (122/1 العلمية) سوى أن قال: أخرج الحكيم الترمذي من طريق عبد الرحمن بن قيس الزعفراني، عن عبد الملك بن عبد الله بن الوليد، عن ذكوان، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن يرى له ظل في شمس ولا قمر ولا أثر قضاء حاجة.
فهذا غاية ما أسند في الباب، وهو كعدمه، ففيه على إرساله عبد الرحمن الزعفراني، وقد كذّبه ابن مهدي وأبوزرعة وصالح جزرة، وتركه بقية الحفاظ، وشيخه لم أميّزه، وكذا ذكوان، فضلا عن جهالة الوسائط بين الحكيم الترمذي والزعفراني! بل يكفي أن الحكيم تفرد به ليكون غير ثابت حتى على مذهب السيوطي (كما في خطبة الجامع الكبير)، على تساهله المعروف في التضعيف!

فهذا أعلى ما في الباب، ثم يجيء في آخر الزمان من يضع له هذا الإسناد المرفوع الذي ظاهره السلامة؟!
وإنما قلت: ظاهره السلامة لأنه لم تثبت لنافع مولى ابن عمر رواية عن ابن عباس من وجه صحيح، بل ذلك من جملة التركيبات الإسنادية التي تميز بها مصنف الحميري.
أما الحميري هذا فما صدّق أن صحح إسناد كتابه الموضوع حتى بدأ يرد على (البزل من الرجال) ويفوح من فمه ما لا يُقال، فقال (ص57): "فتضعيف الألباني للرواية ليس بجيد، وتعليل الهراس تعليل ساقط يؤدي بالمرء إلى الكفر والعياذ بالله، عافنا (كذا) الله من سوء السرائر وظلمة الضمائر".
قلت: الذي قد يؤدي بالمرء إلى الكفر هو تعمد الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، والإصرار على ترويجه ودسّه بين الناس مع العلم به، عافانا الله من سوء السرائر وظلمة الضمائر!
علماً أن الحميري عزاه لموضع آخر في الخصائص الكبرى حيث لم يُبرز السيوطي إسناد الحكيم الترمذي، ولعل ذاك لئلا تظهر علل الإسناد! وهكذا يكون التدليس!

من التراكيب الأعجمية والمتأخرة، وهي داخلة في اختلاق المتون:

• الحديث رقم (7) أن النبي صلى الله عليه وسلم كان أحسن الناس وجها وأنورهم لونا.
هذه الصيغة ليست عربية! فاسألوا عنها بريلوية الهند!
• ومثلها الحديث رقم (9) عن سالم بن عبد الله عن أم معبد أنها وصفت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: كان أحلى الناس وأجمله من بعيد، وأجهر الناس، وأحسنه من قريب.
علما أن الوضاع لم ينتبه -وكذا من روّج له- إلى أن رواية سالم عن أم معبد تركيب لا يصح، بل لم يدرك سالم أم معبد أصلا.

وحديث أم معبد لا يُروى بهذا الإسناد، ومتن روايته المطولة: "أجمل الناس"، كما يعبّر العرب.

• وفي رقم (10) عن ابن جريج قال: كان البراء يكثر من قول: اللهم صلِّ على محمد وعلى آله بحر أنوارك ومعدن أسرارك!

من الظاهر أن ثقافة الواضع متأثرة بالأحزاب والأوراد الصوفية المتأخرة، فهذا الحديث وما بعده أخذه الواضع من دلائل الخيرات للجزولي، كما سيأتي!

كما أن الصلاة على الآل غريبة عن الصحابة والصدر الأول خارج جلسة التشهد!

• وفي رقم (11): عن الحسن أنه قال: من يُكثر من قول "اللهم صلِّ على من تفتّقت من نوره الأزهار" زاد ماء وجهه!

لا شك أن واضعه الرقيع كان بحاجة إلى زيادة ماء وجهه فاخترع هذا الأثر!

• وفي رقم (12): عبد الرزاق أخبرني ابن عيينة عن مالك أنه كان يقول دائماً: اللهم صل على سيدنا محمد السابق للخلق نوره.

يلاحظ أن الواضع بدأ يندمج أكثر مع ثقافته في الأحزاب والأوراد، وتعبير (يقول دائما) و(سيدنا) غريبان عن الصدر الأول! أما قوله السابق للخلق نوره فهو تأييد للباطل الذي من أجله وُضع الكتاب وأُخرج!

• وفي رقم (13) عن سليمان بن يسار، قال: علمني أبوقلابة أن أقول بعد كل صلاة سبع مرات: اللهم صل على أفضل من طاب منه البخار (كذا في المخطوط المتقن! وصوبها الحميري إلى: النُّجار)، وسما به الفخار، واستنارت بنور جبينه الأقمار، وتضاءلت عند جنود (كذا، وجعلها الحميري: جود) يمينه الغمائم والبحار.

تركيبة تنادي على نفسها بالوضع!

• ومثلها رقم (14) عن ابن جريج: قال: قال لي زياد: لا تنس أن تقول بالغدوة والآصال: اللهم صلِّ على من منه انشقت

الأنهار (؟!)، وانفلقت الأنوار، وفيه ارتقت الحقائق، وتنزلت علوم آدم.
كأن زياد بن سعد هنا من فلاسفة الطرقية!
• وفي رقم (15) معمر عن ابن أبي زائدة عن ابن عون، قال: علمني شيخي أن أقول ليل نهار: اللهم صل على من خلقت من نوره كل شيء!
فضلا عن المعنى الفاسد الذي اخترع الكتاب لأجله ونُشر: فالواضع يظن ابن عون من قادرية الهند حتى يعبّر قائلا علمّني شيخي! ثم تأمل في عبارة (أقول ليل نهار) وانظر إن كنت تجد مثله في الصدر الأول!
وزعم الحميري في تعليقه أن ابن أبي زائدة هو يحيى -هكذا خبط عشواء- بينما الذي يروي عنه معمر هو زكريا والد يحيى!
• وفي رقم (16) عن سالم أنه قال: علمني سعيد بن أبي سعيد أن أقول دوماً: اللهم صل على كاشف الغمة، ومجلي الظلمة، ومولي النعمة، ومولي الرحمة.
لا جديد: سجعات المتأخرين! وطريقة طرقية العجم في التعليم: علمني أن أقول دوماً!
وغني عن الذكر أن الآثار من (10) إلى (16) لا أصل لها عن أصحابها، بل هي من تفردات مصنف الحميري الموضوع.
• وهنا مثال طريف بسند نظيف، بل قيل فيه إنه أصح الأسانيد!
ففي رقم (17): معمر، عن الزهري، عن سالم، عن أبيه أنه قال: رأيتُ النبي صلى الله عليه وسلم بعيني هاتين، وكان نورا كله، بل نورا من نور الله، من رآه بديهة هابه، ومن رآه مراراً أحبه أشد استحباب!
وهذا الهندي واضع الحديث أثرت عليه عجمته، وكأن لم يقرأ في القرآن العربي المبين: (والذين آمنوا أشدُّ حباً لله)!
أما الحميري فقال: إسناده صحيح!

حديث النور المحمدي:

نأتي لموضع الشاهد الذي لأجله أتعب الوضاع نفسه وعرّضها لمقعد النار، وهو رقم (18): عن معمر، عن ابن المنكدر، عن جابر، قال: سألتُ رسول الله صلى الله عليه وسلم عن أول شيء خلقه

الله تعالى؟ فقال: هو نور نبيك يا جابر خلقه الله، ثم خلق فيه كل خير، وخلق بعده كل شيء، وحين خلقه أقامه قدامه من مقام القرب اثني عشر ألف سنة، ثم جعله أربعة أقسام فخلق العرش/ والكرسي من قسم، وحملة العرش وخزنة الكرسي من ١/ قسم، وأقام القسم الرابع في مقام الحب اثني عشر ألف، ثم جعله أربعة أقسام فخلق القلم من قسم، واللوح من قسم، والجنة من قسم، ثم أقام القسم الرابع في مقام الخوف اثني عشر ألف سنة جعله أربعة أجزاء فخلق الملائكة من جزء، والشمس من جزء، والقمر والكواكب من جزء، وأقام الجزء الرابع في مقام الرجاء اثني عشر ألف سنة، ثم جعله أربعة أجزاء فخلق العقل من جزء والعلم والحكمة والعصمة والتوفيق من جزء، وأقام الجزء الرابع في مقام الحياء اثني عشر ألف سنة ثم نظر الله عز وجل إليه فترشح النور عرقاً فقطر منه مائة ألف وأربعة

* أصحاب رسول الله موتاً بالمدينة، ويقال إنه عاش أربعاً وتسعين سنة (الإصابة ١/٤٣، الاستيعاب لابن عبد البر ١/٢١٩، أسد الغابة ١/٢٥٦).
قلت: بعد بيان تراجم هؤلاء الأعلام الثقات يتضح من خلاله أن الحديث صحيح الإسناد.

٦٤

حديث مكذوب

[وعشرون ألف وأربعة آلاف]* قطرة من نور، فخلق الله من كل قطرة روح نبي، أو روح رسول ثم تنفست أرواح الأنبياء فخلق الله من أنفاسهم الأولياء والشهداء والسعداء والمطيعين إلى يوم القيامة، فالعرش والكرسي/ من نوري / والكروبيون من نوري والروحانيون والملائكة من نوري والجنة وما فيها من النعيم من نوري، وملائكة السموات السبع من نوري، والشمس والقمر والكواكب من نوري، والعقل والتوفيق من نوري، وأرواح الرسل والأنبياء من نوري، والشهداء والسعداء والصالحون من نتاج نوري، ثم خلق الله اثني عشر ألف حجاب فأقام الله نوري وهو الجزء الرابع، في كل حجاب ألف سنة، وهي مقامات العبودية والسكينة والصبر والصدق واليقين، فغمس الله ذلك النور في كل حجاب ألف سنة فلما أخرج الله النور من الحجب ركبه الله في الأرض فكان يضيء منها ما بين المشرق والمغرب كالسراج في الليل المظلم، ثم خلق الله آدم من الأرض فركب فيه النور في جبينه، ثم انتقل منه إلى شيث، وكان ينتقل من طاهر إلى طيب، ومن

* سقط في نسخة المصنف بتقديم وتأخير في الألفاظ وقد أثبتنا عبارة الشيخ الأكبر من كتاب تلقيح الفهوم (خ ل ١٦٩ ب) لأنها أضبط من عبارة النص.

٦٥

طيب إلى طاهر، إلى أن أوصله الله صلب عبدالله بن عبدالمطلب، ومنه إلى رحم أمي آمنه بنت وهب، ثم أخرجني إلى الدنيا فجعلني/ سيد المرسلين وخاتم النبيين ورحمة للعالمين ٥/أ وقائد الغر المحجلين وهكذا كان بدء خلق نبيك يا جابر[١].

وهذا حديث باطل لا أصل له، لعن الله واضعه، وفيه ما هو مصادم لعدة نصوص صريحة في القرآن الكريم والسنة الصحيحة في الخلق وغيره، وليس في شيء من كتب الإسلام مسنداً.

• وكان مبتدأ أمر الحديث عند متقدمي الإسماعيلية الباطنية، ففي كتبهم القديمة الكثير من الأحاديث المكذوبة في أن النبي صلى الله عليه وسلم وعليًّا من نور الله، وأن الشيعة (يقصدون أنفسهم) منهما. (انظر أصول الإسماعيلية للدكتور سليمان بن عبد الله السلومي 459/2)

وممن ذكر أصل الحديث قريباً منه علي بن محمد بن الوليد الإسماعيلي الباطني (ت612) في كتابه"تاج العقائد"(ص54 كما في رسالة العطايا) ولكن بلفظ آخر وهو: "إن الله تعالى خلقني وعليٍّ نوراً بين يدي العرش، نسبح الله ونقدسه قبل أن يخلق آدم بألفي عام، فلما خلق آدم أسكننا في صلبه، ثم نقلنا من صلب طيب إلى باطن طاهر، لا تحتك فينا عاهة، حتى أسكننا صلب إبراهيم، ثم نقلنا من الأصلاب الطاهرة إلى الأرحام الزكية، لا يمسنا عار الجاهلية، حتى أسكننا صلب عبد المطلب، ثم افترق النور من عبد المطلب ثلاثاً، ثلثان في عبد الله، وثلث في أبي طالب، فخرجتُ من ظهر عبد الله، وخرج عليٌّ من ظهر أبي طالب، ثم اجتمع النور مني ومن علي في فاطمة، فخرج منها الحسن والحسين، فهما نوران من نور رب العالمين"!

• ثم تلقف حديثَ الباطنية هذا: ابنُ عربي الحاتمي الأندلسي صاحب وحدة الوجود (ت638) -وهو باطني النظر في الاعتقادات كما قال تلميذه وبلديُّه الحافظ ابن مُسدي- وأورده بلفظه المطول في تلقيح الأذهان (كما في إرشاد الحائر، وخرّجه الحميري من مخطوطة التلقيح 128/أ) وفي الفتوحات المكية (119/1 كما في رسالة العطايا)، قال عبد الله الغماري في إصلاح أبيات البردة (75): "وأول من شهر هذا الحديث

ابنُ العربي الحاتمي، فلا أدري عمّن تلقاه! وهو ثقة[1]، فلا بدَّ أن أحد المتصوفة المتزهدين وضعه".

• ثم سرى الحديث في كتب التصوف والتشيع والسيرة المتأخرة دون إسناد طبعاً! وغاية الأمر أن أحد المتأخرين ممن لا تحقيق له في الحديث نسبه من رواية عبد الرزاق خطأ (على أحسن الظن)، وأقدم من وقفتُ عليه عزاه له: القسطلاني في المواهب اللدنية (46/1) -بينما ذكر الغماري أن السيوطي عزاه له في الخصائص، ولم أهتد له فيه- وسواء كان هذا أو ذاك، فهما توفيا في القرن العاشر، ولم يذكرا إسناد عبد الرزاق.

ثم جاء العجلوني في القرن الثاني عشر وعزاه في كشف الخفاء (311/1) وفي الأوائل الأربعين (19) لعبد الرزاق،

---

[1] كذا قال الغماري! ولا أدري من أين جاء بالتوثيق؟! فقد ترك الأئمةُ الرواية عن ابن عربي (كما ذكرتُ في كتابي فتح الجليل ص391)، وثبت أن سلطان العلماء العز ابن عبد السلام كذّبه، كما كذّبه جماعة من العلماء في ادعائه الإذن من رسول الله صلى الله عليه وسلم في إخراج كتابه (سرد فتاويهم التقي الفاسي)، وثبت كذب ابن عربي في ادعاء الرواية عن بعض شيوخه، مثل أبي الخير الطالقاني، واتُّهم في غيره، كأبي الحسن بن هُذيل، وعبد الحق بن عبدالرحمن الأزدي، والحافظ السِّلفي، بل أبعد ابن عربي فادعى الإجازة من ابن عساكر -وقد توفي سنة 571 قبل السِّلفي- ومعلوم أن هذا متشدد في الإجازة، ولم نقف من إجازاته إلا على النادر جدا، وغالب مؤلفاته تُروى عنه بالسماع، ولذلك لم يُذكر أنه أجاز أهل عصره، وابن عربي ما رحل من الأندلس للمشرق إلا سنة 598 كما ذكر ابن النجار، فأنّى أخذ منه؟ ولهذا وغيره تُرجم ابن عربي في الميزان، واللسان.

ثم حديث النور هذا لم يُسبق إلى سياقه، وفيه اصطلاحات صوفية كما قال الغماري، فالظاهر أن ابن عربي علته دون غيره.

ونصَّ في الأربعين أنه لم يقف على إسناده تبعاً للقسطلاني؛ الذي ذكره بلا سند.

ثم تناقل المتأخرون هذا العزو بعضهم من بعض دون نظر ولا تحقيق؛ حتى وصل الأمر إلى أسافل المجرمين فأحبوا أن يلفقوا جزءً يدسُّوه فيه وينسبوه للمصنف! فكان ذلك قصة ظهور مصنف الحميريَ هذا، والعياذ بالله.

علماً بأن بعض غلاة الطرقية سبقوا إخوانهم البريلوية في محاولة الخروج من هذا المأزق، فوضع أحد الشناقطة له إسناداً كما سيأتي! وجاء المدعو محمد البرهاني فعزاه في تبرئة الذمة (ص9 كما في رسالة العطايا) إلى عبد الرزاق في كتابه جنة الخلد!! ولا وجود لهذا الكتاب أصلاً!

• ولما صار الحديث متداولا في كتب السيرة وتلقفه غلاة المتصوفة والاتحادية؛ واعتقدوا ما فيه من الأباطيل: ألّف بعض أهل العلم محذرين من هذا الحديث المكذوب المصادم للنصوص، فمنهم:

الشيخ **محمد أحمد بن عبد القادر الشنقيطي المدني** في رسالته: تنبيه الحذاق على بطلان ما شاع بين الأنام من حديث النور المنسوب لمصنف عبد الرزاق، وقد طُبعت بتقديم وموافقة سماحة الشيخ ابن باز.

ومنهم الشيخ **عبد الله الغُماري** -شيخ محمود سعيد ممدوح الذي قدّم لمصنف الحميري- فألف رسالة بعنوان: مرشد الحائر لبيان وضع حديث جابر، وقال فيه: "وعزْوه إلى رواية عبد الرزاق خطأ، لأنه لا يوجد في مصنفه، ولا جامعه، ولا تفسيره.. وهو حديث موضوع جزمًا، وفيه اصطلاحات المتصوفة، وبعض الشناقطة المعاصرين ركّب له إسنادًا! فذكر أن عبد الرزاق رواه من طريق ابن المنكدر عن جابر! وهذا كذب يأثم عليه. وبالجملة فالحديث منكر موضوع، لا أصل له في شيء من كتب السُّنّة".

وقال عبد الله الغماري في إصلاح أبيات البردة (75): "قال السيوطي في الحاوي: إنه غير ثابت. وهو تساهل قبيح، بل ظاهر الحديث الوضع، واضح النكارة، وفيه نَفَس صوفي، حيثُ يذكر مقام الهيبة ومقام الخشية، إلى آخر مصطلحات الصوفية.
والعجيب أن السيوطي عزاه إلى عبد الرزاق، مع أنه لا يوجد في مصنفه ولا تفسيره ولا جامعه، وأعجبُ من هذا أن بعض الشناقطة صدّق هذا العزو المخطئ، فركّب له إسناداً من عبد الرزاق إلى جابر، ويعلم الله أن هذا كله لا أصل له.
فجابرٌ رضي الله عنه بريء من رواية هذا الحديث، وعبد الرزاق لم يسمع به، وأول من شهَّر هذا الحديث ابنُ العربي الحاتمي، فلا أدري عمّن تلقاه! وهو ثقة، فلا بدَّ أن أحد المتصوفة المتزهدين وَضَعه".
وقال عبد الله الغماري في إرشاد الطالب النجيب إلى ما في المولد النبوي من الأكاذيب (ص9 و10): "بيان الأحاديث المكذوبة، منها وهو أشهرها حديث: أول ما خلق الله نور نبيك من نوره يا جابر، عزاه السيوطي في الخصائص الكبرى لمصنف عبد الرزاق، وقال في الحاوي في سورة المدثر من الفتاوى القرآنية: ليس له إسناد يُعتمد عليه. وهذا تساهل كبير من السيوطي، كنتُ أنزهه عنه.
أما أولاً: فالحديث غير موجود في مصنف عبد الرزاق ولا في شيء من كتب الحديث.
أما ثانياً: فإن الحديث لا إسناد له أصلا.
وأما ثالثاً: فإنه ترك بقية الحديث، وهي مذكورة في تاريخ الخميس للديار بكري، ومن قرأها يجزم بأن الحديث مكذوب على رسول الله صلى الله عليه وسلم.
وجاء شخص فيلالي من ذرية الشيخ محمد بن ناصر الدرعي، فألف كتاباً سماه: (التوجيه والاعتبار إلى معرفة القدر والمقدار) وموضوعه الكلام على النور المحمدي، أتى فيه

بطامة كبرى! حيث قال في أوله: ومن أدلة سبقيته وأصليته حديث الإمام عبد الرزاق في مصنفه الشهير، عن سفيان بن عيينة، عن زيد بن أسلم أحد أعلام المدينة، عن محمد بن المنكدر شيخ الزهري، عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما أنه قال: قلت يا رسول الله، بأبي أنت وأمي أخبرني عن أول شيء خلقه الله قبل الأشياء؟ قال: يا جابر! إن الله تعالى خلق قبل الأشياء نور نبيك من نوره، وذكر بقية الحديث.

وقد تعجبت من وقاحة هذا الشخص وجرأته، حيث صنع هذا الإسناد الصحيح لحديث لا يوجد في مصنف عبد الرزاق ولا غيره من كتب الحديث المسندة! وهذه جرأة غريبة تشبه جرأة الخوارج في وضعهم أحاديث على رسول الله صلى الله عليه وسلم، وهو يقول: (من كذب عليّ فليتبوأ مقعده في جهنم). فأجاب: نحن لا نكذب عليه، ولكن نكذب له؟! ولعل هذا الموريتاني يعتقد أنه كذب للنبي صلى الله عليه وسلم"!

فأقول: انظر إلى تضارب الكذابين، فذاك الشنقيطي اختلق له سنداً، وبينما وضع له الهندي صاحب الحميري سنداً آخر إلى ابن المنكدر! وكلا الكاذبين يصح عنه وصف الغماري بالوقاحة والجرأة!!

وللغماري كلام كثير في تكذيب الحديث، منها في رسالته رفع الإشكال (ص45)، وله مقالات وردود متعددة حول الحديث في مجلة الإسلام المصرية سنة 1353، وإنما أطلتُ في نقل أقواله لأنه شيخ محمود سعيد ممدوح، ومقدّس عنده وعند الحميري، والأول يعرف كلامه ربما أكثر من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم! فأنا أتيقن أنه يعلم حال الحديث من شيخه على أقل الأحوال، لكنه كتم ذلك وتواطأ على ترويج الكذب نفاقاً ومداهنة لسيّده الحميري!

كذلك ألف **أبو عمر محمد العطايا** رسالة موجزة عن الحديث.

• وأبطله قبلهم **السيوطي** في الحاوي في الفتاوي (الفتاوى القرآنية، آخر سورة المدثر 43/2 دار الكتاب العربي) وفي

قوت المغتذي، ونص أنه لا سند له وأنه لا يثبت، ومعلوم سعة اطلاع السيوطي.

وضعّفه الشيخ **ابن عجيبة المغربي** في شرح الحكم العطائية (كما في تنبيه الحذاق)، وممن نص على بطلانه ووضعه وأنه لا أصل له: **محمد رشيد رضا** في الفتاوى (447/2)، **وأحمد الغماري** (المقدّس عند الحميري وممدوح) في مقدمة كتابه المغير (6 و7)، والعلامة **الشقيري** في السنن والمبتدعات (93)، وسماحة الشيخ **ابن باز** في مقدمته لتنبيه الحذاق، وفي مجموع فتاويه (130/25)، ومحدث العصر الإمام **الألباني** في السلسلة الصحيحة (207/1 و741 المكتب الإسلامي، 258/1 و820 المعارف)، **وعبد العزيز السدحان** في كتابه تحت المجهر (66)، **وعداب الحمش** في كتاب النور المحمدي، وغيرهم.

بل إن بعض رفقاء الحميري وممدوح في أصول الاعتقاد يصرحون بكذب حديث النور، منهم **عبد الله الحبشي الهرري**، **وحسن السقاف**، والأخير ألف رسالة مفردة في إبطالها، وهي مطبوعة. (وشهد شاهد من أهله)!

كذلك حدثني الشيخ المطلع الثقة أحمد عاشور المكي ثم المدني -حفظه الله- أنه لما أراد أن يقرأ الأربعين العجلونية على مجيزنا الشيخ **عبد الله التليدي المغربي** (من كبار أصحاب أحمد الغماري) توقف التليدي عند الحديث المنسوب لعبد الرزاق فيه، ورفض قراءتها وغضب، وقال إنه مكذوب.

وأخبرني عن أحد التلاميذ المقربين من مجيزنا الشيخ **عبد الفتاح أبوغدة**، أنه قال له: سألت الشيخ عبد الفتاح: لماذا حققت الأوائل السنبلية ولم تحقق الأوائل (الأربعين) العجلونية، مع أن تلك شامية من بلدك؟ فقال: أنا لا أخرجها وقد أورد فيها ذاك الحديث الموضوع، يعني حديث جابر.

• ومن العجائب أن يستدل الحميري بكلامٍ لأحمد الغماري (في حديث آخر) في أن أي حديث يُستنكر لا ينبغي أن يُحكم عليه

بالوضع لمجرد ركاكة ألفاظه وغرابته، بينما أحمد الغماري ينص في هذا الحديث بالذات أنه موضوع لا يُشك في وضعه، وأنه مشتمل على ألفاظ ركيكة ومعاني منكرة، فهكذا يكون الهوى المعتاد من الحميري وجماعته!

ومن العار أن يروي الحميري مصنفه من طريق الشيخ عبد الفتاح أوغدة، وهو يعتقد بطلانه ووضعه.

ومن باب تبكيت الحميري وأضرابه: فإن هذا المتن لو لم يكن فيه نكارة فالإسناد إليه لا يُسلَّم بصحته، وإن كان رجاله ثقات، فقد قال إمام الشأن البخاري: ما أعجب حديث معمر عن غير الزهري، فإنه لا يكاد يوجد فيه حديث صحيح!

رواه البيهقي في شعب الإيمان (109/9 رقم 4477 السلفية)

• وللتنبيه، فقد ذكر بعض الناس لهذا الحديث شاهداً!

وهو ما رواه البيهقي في دلائل النبوة (483/5)، فقال: أخبرنا أبو الحسن علي بن أحمد بن سِيْماء المقرئ، قدم علينا حاجاً، حدثنا أبوسعيد الخليل بن أحمد بن الخليل القاضي السِّجزي، أنبأنا أبو العباس محمد بن إسحاق الثقفي، حدثنا أبو عبيد الله يحيى بن محمد بن السكن، حدثنا حبان بن هلال، حدثنا مبارك بن فضالة، حدثنا عبيد الله بن عمر، عن خبيب بن عبد الرحمن، عن حفص بن عاصم، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم بلفظ: «لما خلق الله عز وجل آدم خيَّر لآدم بنيه، فجعل يرى فضائل بعضهم على بعض، قرآني نوراً ساطعاً في أسفلهم. فقال: يا رب! من هذا؟ قال: هذا ابنك أحمد، هو الأول، والآخر، وهو أول شافع».

وعزاه السيوطي في الخصائص الكبرى (67/1 العلمية) لابن عساكر أيضا.

قلت: إسناده ضعيف.

وفضالة فيه لين على صدقه، ونص ابن المديني أن له مناكير عن عبيد الله، وهو شيخه هنا، وتفرُّد فضالة بالحديث في طبقته ومرتبته وعزة مخرجه يوحي بأن هذا الحديث منها.
وشيخ البيهقي له ذكر في المنتخب من السياق لتاريخ نيسابور (1249) ولم أجد فيه جرحاً ولا تعديلا.
وبقية رجاله ثقات معروفون.
هذا عن حال الحديث رواية، أما دراية فمعنى الأول والآخر في الحديث يُستدل عليه بما أخرجه البيهقي قبله، وفيه: نحن الآخرون الأولون، نحن آخر الأمم وأول من يحاسب.
فهذا معناه -على فرض ثبوته- لا ما يزعمه غلاة المتصوفة من أولية النور المحمدي! وأين هو من ذاك الحديث المكذوب الطويل ليكون شاهداً له؟!
والله تعالى أعلم.

* * *

هذا؛ وبالإمكان التفصيل أكثر في الكلام على متون مصنف الحميري لو تتبعتها كاملة، ولكن يكفي من القلادة ما أحاط بالعنق كما أسلفت، وهذا ما ظهر لي خلال مراجعات أيام قلائل، فسبحان من يسّر فضح الكذبة والوضاعين!

من موارد واضع الجزء:

هذه أربع مصادر رئيسية اعتمد عليها الوضاع في تأليف الجزء، ولو تسنى الدراسة المفصلة والتقصي لجميع الأحاديث لظهرت الموارد الأخرى، ولكن حسبنا كشف أهم ما ظهر منها:

أولاً: دلائل الخيرات للجزولي!

اقتطف الواضع منه ستة مواضيع، ثم جعلها آثاراً ذات أسانيد!

• ففي رقم (10): كان البراء يكثر من قول: اللهم صلِّ على محمد وعلى آله بحر أنوارك ومعدن أسرارك.

وهذه الصيغة بحروفها مأخوذة من الدلائل، فصل في كيفية الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم، الحزب الثاني، يوم الثلاثاء، (ص20)!

• وفي رقم (11) كان الحسن يُكثر من قولك اللهم صلِّ على نت تفتقت من نوره الأزهار!

وهي كذلك بحروفها (ص23) منه!

• وفي رقم (12): اللهم صل على سيدنا محمد السابق للخلق نوره.

وهي في الدلائل، الحزب الثالث، يوم الأربعاء (ص26)!

وفي رقم (13) اللهم صل على أفضل من طاب منه النجار، وسما به الفخار، واستنارت بنور جبينه الأقمار، وتضاءلت عند جود يمينه الغمائم والبحار.

وهي في الدلائل أيضا، الحزب السابع، يوم الأحد (ص52)!

• وفي رقم (14): اللهم صل على من منه انشقت الأنهار، وانفلقت الأنوار، وفيه ارتقت الحقائق، وتنزلت علوم آدم.

هكذا في مصنف الحميري المطبوع، وهي في الدلائل، الصلاة المشيشية (ص56) انشقت الأسرار بدل الأنهار، وعنده زيادة وهي: وتنزلت علوم آدم فأعجز الخلائق!

وقد فاتت الناسخ فلم يكتمل عنده السجع!

• وفي رقم (16): اللهم صل على كاشف الغمة، ومجلي الظلمة، ومولي النعمة، ومولي الرحمة.

هكذا في طبعة الحميري، وهي في الدلائل، الاحزب الثاني، يوم الأربعاء، (ص22) بلفظ: ومؤتي الرحمة.

ولعل نسخة الوضاع من دلائل الخيرات ليست جيدة، أو لعل عجمة هذا الوضاع أوقعته في التصحيف!

ومن نافلة القول أن الحميري يعلم بوجود هذه المفتريات في دلائل الخيرات، فتجده يخرّج (؟!) منها ويصحح أخطاء نسخته التي زعم إتقانها، فهل يبقى له عذر في عدم معرفة حال أحاديث مصنفه؟

ثانياً: كتب ابن عربي الصوفي!

أخذ منه حديث أول ما خلق الله نور نبيك يا جابر، فابن عربي أقدم من عُزي الحديث إليه فيما نعم، دون إسناد طبعاً! وقد ساق نفس اللفظ.

ثالثاً: بعض كتب الشيعة المتأخرة:

يدل عليها الحديث الأول الذي مطلعه: إن الله تعالى خلق شجرة ولها أغصان فسماها شجرة اليقين، ثم خلق نور محمد صلى الله عليه وسلم في حجاب.

فذكر أغا بزرك الطهراني الشيعي في الذريعة إلى تصانيف الشيعة (163/5-164) من كتبهم: "695: الجنة والنار، **لبعض الأصحاب**، قال في أوله بعد الحمد المختصر: "إن الله خلق شجرة ولها أربعة أغصان سماها شجرة اليقين، ثم خلق نور محمد صلى الله عليه وآله في الحجاب" رأيتُ النسخة عند الشيخ عبد الكريم العطار آل الشيخ راضي الكاظمي في الكاظمية".

وجاء في مجلة تراثنا الشيعية (96/3) ضمن دليل مخطوطات مكتبة الحاج هدايتي في قم بإيران: مجموع فيه عدة رسائل كُتبت في القرنين الحادي عشر والثاني عشر، فذكروا منها: "كتاب خلق الأشياء (حديث – عربي) تأليف: (؟) أبواب قصيرة تجمع الأحاديث المروية في خلق الإنسان والملائكة والجنة والنار والموت وما يتعلق بأحوال الإنسان ما بعد موته، أوله: "الحمد لله رب العالمين.. أما بعد: اعلم أن الله خلق شجرة ولها أربعة أغصان فيقال لها شجرة اليقين".

لاحظ أن كلا المصدرين نقلا صدر الحديث الذي في مصنف الحميري بحروفه، وكلاهما دون إسناد، فجاء الوضاع فتلقفه وركّب له إسناداً نظيفا!

علماً أن هذه حديث جابر المزعوم تناقلته مجموعة من كتب الشيعة بطوله مستدلين به على عقائدهم أيضا!

رابعاً: مصنف ابن أبي شيبة:

احتاج له الوضاع ليأخذ متون أحاديث الطهارة، بينما تبرع من عنده بتركيب الأسانيد، ومشّى الحميري جميع ذلك!

• فالحديث رقم (20) من الطهارة في التسمية للوضوء أخذ متنه وطرف سنده من مصنف ابن أبي شيبة (2/1 و3 السلفية) بحروفه، لكن سنده فيه من طريق كثير بن زيد، حدثني ربيح بن عبد الرحمن بن أبي سعيد الخدري، عن أبيه، عن جده.

فبعد أن أخذ الوضاع المتن من هناك احتاج لتأليف سند لهذا المتن، فجعله عن معمر، عن الزهري، عن أبي سعيد الخدري، عن أبيه، عن جده.

هكذا فعل الوضاع الجاهل، لعله لعجمته ظن (ابن) بين عبد الرحمن وأبي سعيد الخدري: (عن)، فحذف ربيح بن عبد الرحمن، وجعل الزهري متابعا له، فوقع في خطأ مركّب! ويأتي مزيد تنبيه على ذلك.

• وهكذا الحديث رقم (21) أتى بلفظ ابن أبي شيبة لحديث سعيد بن زيد في التسمية حرفياً، لكن جعل له إسناداً من عنده لأبي هريرة، وهو بالطبع غير الأسانيد المروية عن أبي هريرة في الباب.

• وحديث رقم (22) جاء بلفظ ابن أبي شيبة (3/1) لحديث أبي سعيد الخدري في القول عند الفراغ من الوضوء، واخترع سندا من عنده.

وفات الوضاع أن عبد الرزاق رواه في مصنفه الحقيقي في موضعين (186/1 و378/3) ولكن بسند آخر عن أبي سعيد ولفظ مغاير!

• أما حديث رقم (23) فجاء كذلك بمتن أثر ابن أبي شيبة عن سالم أبي الجعد عن علي في القول عند الفراغ من الوضوء، أما السند فلعب فيه، والنقل حرفي!

علماً أن عبد الرزاق أخرج الأثر بلفظ وسند آخر عن سالم في مصنفه الحقيقي (186/1)!

• كذلك حديث (24) نقل المتن بحروفه من ابن أبي شيبة (4/1) لحديث عقبة بن عامر في الباب نفسه، أما السند فركبه عن الزهري عن عقبة بن عامر، وانشغل الحميري في الحاشية بالكلام عن إدراك الزهري لعقبة من عدمه!

وهكذا مجموعة من أحاديث الطهارة أخذت متونها من مصنف ابن أبي شيبة حرفيا، مع أن بعضها رواه عبد الرزاق في مصنفه الحقيقي، ولكن بسند ولفظ مغايران! ولو كان الوضاع عنده بعض علم بالسنّة لنقَل أسانيد عبد الرزاق وألفاظه، بيد أن حبل الكذب قصير! والكاذب يُحرم التوفيق!

الكلام على الأسانيد:

أولا: الكذب الصراح فيها:

• من ذلك ما جاء في النسخة رقم (2) من قول ابن جريج: أخبرني البراء -الصحابي!

وهذا كذب، فابن جريج من أتباع التابعين، ومع هذا قال الحميري في تعليقه: ابن جريج حافظ ثقة، وكان يدلس، وقد صرح هنا بالإخبار!!

• ومنها ما جاء رقم (28) قال عبد الرزاق: أخبرني الزهري!

وهذا كذب! فعبد الرزاق لم يدرك الزهري أصلا!

فهذا مما جاء من الكذب البيّن في الأسانيد.

ثانياً: تركيب الأسانيد وتلفيقها:

ليس مجرد الثقة والمعاصرة كافيان في قبول الأسانيد بشكل مضطرد، فهناك تراكيب إسنادية لا تجيء ولا تنتظم ولو توفر فيها الأمران، وهذه التراكيب يدركها المحدّث اليقظ العارف الممارس للحديث وأسانيده، ومن يوفقه الله لاحتذاء حذوه، وبطبيعة الحال لا يدركها الطرقي ولا الخرافي!

فمن ذلك ما قاله أحد أئمة هؤلاء الأيقاظ الحافظ أبوحاتم الرازي: عكرمة عن أنس ليس له نظام. (العلل 273/1)

وقال أيضا (309/1): الحسن البصري عن سهل بن الحنظلية لا يجيء.
وقال أيضا (158/2): هذا حديث باطل ليس له أصل، الزهري عن أبي حازم لا يجيء.
وبالتأكيد فإن من هو في مستوى الواضع -ومن روّج له- لا يمكن له إدراك ذلك، فيكشفه الله ويفضحه كما كشف أسلافه من الكذابين والوضاعين.

• فمنها ما جاء رقم (13) من قول عبد الرزاق: أخبرني يحيى بن أبي زائدة.

وهذا تلفيق، فلم أجده من شيوخ عبد الرزاق في المصنف ولا في تهذيب الكمال!

• وفي رقم (22): أخبرني مالك عن يحيى بن أبي زائدة! فهنا روى عن يحيى بواسطة! ومالك لا يروي عن يحيى! ومثله رقم (34)، أما في رقم (15) فروى عن معمر عن ابن أبي زائدة!

• وفي رقم (10) جعل معمرا يروي عن ابن جريج.

وفي رقم (15) روّاه عن ابن أبي زائدة.
وفي رقم (19) روّاه عن سالم بن عبد الله.
وفي رقم (36) روّاه عن الليث، وكل ذلك كذب، فليسو من شيوخ معمر.
ومن ذلك رقم (19): معمر، عن سالم، عن أبي هريرة.
ففيه تركيبان: رواية معمر عن سالم، ورواية سالم عن أبي هريرة.
إلى غير ذلك من التركيبات التي لا تجيء!

ثالثاً: اختلاق المتابعات:

كثير من أحاديث أبواب الطهارة في نسخة الحميري عبارة عن أحاديث معروفة ولكن وردت بأسانيد لا تُعرف، ومن جهل

الواضـع ومـن معـه أنـه افتعـل لأسـانيد هـذه المتـون متابعـات موضوعة.
مثل الحديث رقم (20): وهو عن معمر، عن الزهري، عن أبـي سـعيد الخـدري (كـذا فـي النسـخة التـي زعـم الحميـري إتقانهـا!)، عـن أبيـه، عـن جـده أبـي سـعيد فـي التسـمية عنـد الوضوء.
وراوي حديث التسمية هو حفيد الخدري، واسمه رُبيح بن عبد الرحمن (وليس روييح كما قال الحميري!)، وهو معروف بهذا الحديث، وتفرد بـه عنـه كثيـر بـن زيـد ـكمـا أفـاد الإمـام أحمـد ونـص ابـن عـدي- فمـن أيـن جـاءت متابعـة الزهـري، وهـو لا يروي عن ربيح أصلا؟ فهل جهلها الحفاظ متقدمهم ومتأخرهم وادُّخـرت معرفتهـا للحميـري ومحمـود سـعيد ممـدوح؟ ومتابعـة من؟ الزهري!

رابعاً: مخالفة الأسانيد للثابت من رواية عبد الرزاق:
تقدم على ذلك مثالان في الكلام علـى أخذ الوضـاع المتـون مـن مصـنف ابـن أبـي شـيبة، بينمـا هـي فـي موجـودة مصـنف عبـد الرزاق الحقيقي بلفظ مغاير، وسند آخر! وهكذا يشـاء الله أن لا يدع منفذاً لهذا الوضـاع إلا وافتضـح! وإلا لجاء بمرويات عبد الرزاق كما هي!

أما تعليقات الحميري على الأحاديث:
فإنما تدل على جهله المطبق وتخليطه في السنّة، فتخريجاتـه لا قيمـة لهـا البتـة، يكـون المـتن فـي شـيء فيخـرج شـيئا آخـر مـن حـديث آخـر، لمجـرد تشـابه فـي طـرف مـن المـتن، أو أن يكـون مقاربـاً لموضـوعه، وحسـبنا أنـه يخـرّج بعـض الأحاديـث مـن دلائل الخيرات للجزولي! ومن تكلم في غير فنه أتـى بالعجائب، ولـذلك أكتفـي بمـا سبق نقده من غرائـب تعليقاتـه، فلـيس هـدفي إثبـات جهلـه وخيانتـه العلميـة، فـذاك أمـر متقـرر قبـل إخراجـه

لمصنفه هذا، إنما المقصود إثبات كذب مصنفه برمته، وتحذير الناس مما فيه.

والله من وراء القصد.

الخاتمة

ظهر فيما سبق أن مصنف الحميري بيّن الوضع والتزوير، وأن واضعه مكشوف أنّى اتجه، وأن الحميري استخدم في ترويج هذا الكذب شتى ضروب التدليس والتلبيس والغش والكتمان الخبيث، وتابعه محمود سعيد ممدوح وشكر للحميري صنيعه! وأنه حصل التنبيه بحال المصنف قبل إخراج الكتاب، ولكن لا حياة لمن تنادي.

وظهر أن الحميري تواطأ في نشر هذا الكذب المفترى عبر كتم بعض المعلومات التي تكشف حال مخطوطه، وكذب على الناس في أنه من خط القرن العاشر، وهو يعلم أنه ليس كذلك، وتابعه على ذلك محمود سعيد ممدوح، مع علمه بحال الكتاب أيضا!

فتبين بذلك أنه **لا يوثق بهما في دينهما ولا علمهما**، ومن استحل الكذب ونشره عن النبي صلى الله عليه وسلم فماذا بقي فيه من خير؟ وليس هذا كذباً عادياً من جنس أكثر الأحاديث الموضوعة، بل فيه نسبة الضلالات والخرافات والأهواء الباطلة إلى سيد الخلق صلى الله عليه وسلم، إضلالا للمسلمين، ومحاربة للسنة وأهلها، وما ذلك عن أصحاب المصنف بغريب.

فعلى الناس الحذر من كل ما أخرج ويُخرج هذان، فقد أسقطا عدالتهما بأنفسهما، وظهر أنهما من شر دعاة الضلالة والهوى، الذين لا يتورعون عن الكذب وترويجه على رسول الله صلى الله عليه وسلم، وعلى من اغتر بهما أن يعرف حال من يتبع، وإلى أي طريق يدعوان.

• وإنه من غرائب الموافقات أن يخرج مصنف الحميري في الوقت الذي يحارب فيه رسولنا الكريم ويُستهزأ بشخصه ودينه، وقبلها جرت محاولات تحريف القرآن الكريم باسم الفرقان الحق وغيره، نعم، إن تزامن ذلك مع محاولة جديدة من نوعها في تحريف السنة والدس فيها بحاجة إلى تأمل

وتدبر، ووقفة ونصرة للسنة، ولعله لذلك تعمّد تزوير تاريخ طبع الكتاب، وما ذلك ببعيد وقد علمنا أن مصنف الحميري كله مزوّر، والله المستعان.

• وليعلم القارئ أنني إن شددت العبارة مع هؤلاء المجرمين فما ذاك إلا لعظم جريمتهم، وردعاً أن يعودوا هم وأمثالهم لاختراع كتب باطلة ونسبتها للأئمة، فضلاً عن الكذب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، والله من وراء القصد.

اللهم جنبنا الفتن ما ظهر منها وما بطن، وكف عنا وعن المسلمين شرور المفسدين، والضالين المضلين.

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، وصلى الله وسلم على نبينا محمد، وعلى آله وصحبه أجمعين.

كتبه أفقر العباد
محمد زياد بن عمر التكلة

***

جعلی جُز کی کہانی
اور عُلمائے ربّانی